

# پندرہوڑہ معارف فخر

مدیر:  
سید شاہد ہاشمی

MA'ARIF FEATURE

ناصب مدیران: مفتی عظیم خاں، سید سعیج اللہ حسینی، نویں نون - معاون مدیران: غوث الدین، محمد عبید قادری  
ڈی - ۳۵، بلاک - ۵، فیڈرل بی ایریا، کراچی - ۷۵۹۵۰  
نون: ۰۳۲۸۰۹۲۰ - ۰۳۲۸۰۹۲۱ (۹۲-۲۱) (۹۲-۲۱)

مرتقبہ: www.irak.pk, irak.pk@gmail.com

- ۱ - معارف فیض ہر ماہ کی کم اور سول نامہجنوں کو شائع کیا جاتا ہے۔ اس میں دنیا بھر سے (ہمیں) دستیاب ایسی معلومات کا اختیاب پیش کیا جاتا ہے، جو اسلام سے وجہی اور ملت اسلامیہ کا درد رکھنے والوں کے غور و فکر کے لئے اہم یامغاید ہو سکتی ہیں۔
- ۲ - پیش کیا جانے والا لوازم بالعموم بلا تصور شائع کیا جاتا ہے۔ کسی مضمون، نقطۂ نظر، خیال یا معلومات کا اختیاب کی وجہ سے ہمارا تقاضہ ہمیں، اس کی اہمیت ہوتی ہے۔ کسی مضمون یا معلومات کی ملک تربیت یا اس سے اختلاف پیش کیا جاؤ گی جگہ دی جا سکتی ہے۔
- ۳ - معارف فیض کو ہر بارے کے لیے مفید معلومات کے حصوں یا ان کے ذریعہ تک رسائی میں آپ کی مدد کا خیر مقصد کیا جائے گا۔
- ۴ - ہمارے فرماں کردہ لوازے کے مرید، لیکن غیر تجارتی ابلاغ کی عام اجازت ہے۔
- ۵ - معارف فیض کی کوئی قیمت مقرر نہیں۔ تاہم عطیات کی ضرورت بھی ہوتی ہے اور عطیات قبل بھی کیے جاتے ہیں۔ اسلامک دیسروچ اکیڈمی کو اچھی

ہے کہ وہ امریکا اور چین کے لیے افغانستان سمیت مشترک تشویش کے امور کا استعمال کر کے اپنے لیے امریکی خلافت کو کم کر سکتا ہے۔ یعنی افغانستان جسے مسئلے میں تعاون کر کے امریکا سے دمگار مور میں مراعات حاصل کر سکتا ہے۔ چینی تجزیہ کاروں کے مطابق پچھلے کئی اجلاؤں میں اس حوالے سے بات چیت بھی ہوئی۔ حقیقت میں چین نے باہمی انتظامیہ کے اقتدار سنبھالنے سے قبل ہی شہادی کو ریا، افغانستان، ایران اور موسیقی تبدیلوں کے حوالے سے امریکا سے بات چیت کی تیاری کر لی تھی۔ پیشی حکام بہت واضح تھے کہ ٹکنیک، ہاگ کا ٹک، تائیوان اور تبت پر چینی موقف پر حمایت کے بعد امریکا سے تعاون کیا جا سکتا ہے۔ تاہم مارچ میں الاسکا میں امریکی تو میں سامنی کے مشیر جیک سلیوان اور سیکرٹری خارجہ ایونی بلکن، چینی پولٹ پیورو کے نمبر یا ٹکنیکی اور وزیر خارجہ و اگلی میں کے مابین کشیدہ ماحول میں مذاکرات کے بعد دونوں ممالک میں تعاون کا امکان کم

## چین کی نظر میں افغانستان سے امریکی انخلا

ہے اور اب اس جنگ نے چین اور پوری یا کو قابو کرنے کے منصوبے کی خلکل اختیار کر لی ہے، جس کی وجہ سے امریکی نوجوانی کی افغانستان میں موجودگی انہیٰ مغلی اڑاث رکھتی ہے اور از کم ۲۸ رافری جاں بحق ہو گئے جبکہ ۱۲۰ سے زائد رہنگی ہوئے۔ اگرچہ کسی نے بھی اس محلے کی ذمہ داری قول نہیں کی، لیکن اس دھماکے نے افغانستان کے مستقبل پر گھرے سائے ڈال دیے ہیں، کیوں کہ روایا بر سیارہ تبریک امریکی نوجوان افغانستان سے نکل جائے گی۔

**Yun Sun**

۸۰ کو کامل میں ایک اسکول کے باہر بم دھماکے میں کم از کم ۲۸ رافری جاں بحق ہو گئے جبکہ ۱۲۰ سے زائد رہنگی ہوئے۔ اگرچہ کسی نے بھی اس محلے کی ذمہ داری قول نہیں کی، لیکن اس دھماکے نے افغانستان کے مستقبل پر گھرے سائے ڈال دیے ہیں، کیوں کہ روایا بر سیارہ تبریک امریکی نوجوان افغانستان سے نکل جائے گی۔ اگلے ہی دن چینی وزارت خارجہ نے محلے کی سخت نہادت کرتے ہوئے کہ امریکا کی جانب سے افغانستان سے کمل انخلاکے اچانک اعلان کے نتیجے میں اس طرح کے محلوں میں اضافہ ہو گیا ہے۔ اس طرح کے تبریز سے ظاہر ہوتا ہے کہ امریکی انخلاکے حوالے سے چین کس طرح موجود رہا ہے۔ بجگ ان افغانستان میں امریکی موجودگی اور جلد انخلاکے حوالے سے طویل عرصے تک امریکا پر تقدیم کرتا رہا ہے۔ چین میں خابجہ پالیسی سے تعلق رکھنے والے افراد خطے میں امریکی ارادوں کے حوالے سے ٹک کا تھہار کرتے رہے ہیں۔ وہ امریکی نوجوں کی واپسی کے بعد اپنی غربی سرحد پر انتشار اور عدم استحکام کے بارے میں شدید غذشت کا شکار ہیں۔

چچھے ۴۰ برس کے دوران چین نے افغانستان میں امریکی موجودگی کے حوالے سے متفاہر یا تاریخی تکمیل کیے تھے۔ چین کو امریکی تاریخ کی توجہ حاصل کیے بغیر تیزی سے مضبوط ہوتا چلا گیا۔ چین نے امریکا کی افغانستان میں جنگ کو ہمیشہ مغلی اور ثابت اڑاث کے اعتبار سے دیکھا ہے۔ چین کو ایسا ہے کہ افغانستان، اسکنون اور بجگ کے طور پر دیکھا، جس نے چین کو سہری استشہد ٹک موافقوں سے نوازا اور وہ ۳۰۰۰ کے بعد امریکا کی توجہ حاصل کیے بغیر تیزی سے مضبوط ہوتا چلا گی۔ چین نے امریکی موجودگی کے حوالے سے متفاہر یا تھیار کیا ہے۔ ایک طرف چین امریکی موجودگی کو عدم استحکام اور افغان سیاست میں مداخلت کے طور پر دیکھتا ہے۔ بجگ کے خیال میں طویل مشاورت کا ایک سرکاری چیلنج کھا رکھا ہے۔ بجگ کا خیال جنگ انسداد و ہشت گردی کے اپنے اصل مقصد سے ہٹ چکی

### اندرونی صفحات پر:-

- برلنی کا پوشیدہ معاشی برجام
- جی۔ یے: چین سے مقابلے کی کوشش؟
- دنیا نئے اپریلی صدر سے خائف کیوں ہے؟
- شہزادہ خالد کا دورہ امریکا
- افغانستان: کچھ سانی خفاہت
- پاک افغان سرحد، میمنہٹ کی ضرورت و اہمیت
- اسرائیل اخلاقی شکست سے دوچار
- اثڑا پر وسدہ، کھانوں کی پسندیدگی اور اس کے اڑات
- ہندوؤں کی فکری اساسیات
- امریکی رائے عامہ فلسطینیوں کے حق میں تبدیل

کے نتیجے میں بیدا ہونے والے عدم استحکام سے منٹنے کے لیے کوششیں تیز کر دی ہیں۔ ۲۰۱۴ء سے چین، پاکستان اور افغانستان کے درمیان مکالمہ جاری ہے۔ یہ چین کے لیے بنیادی چیزوں پر، جس کے ذریعے اسٹریچل مکالمہ، انسداد و رہشت گردی اور سلامتی سے متعلق مشاورت اور تعاون کو بڑھایا جا رہا ہے۔ چین نے انتبول کے آئین عمل میں حصہ لیا ہے اور وہ دوہارا مسکونڈ اکرات میں بھی شامل رہا ہے۔ اس افغانستان سے امریکی اخلاق کے نیچے میں اہم کروار ادا کیا ہے۔ امریکی وزیر خارجہ کے حالیہ بیان کے مطابق اب امریکا اپنی توہانی اور سماں چین سیاست دیگر اہم معاملات سے منٹنے پر لگائے گا۔ یہ بیان چین کی سوچ کی صدیقین کرتا ہے کہ افغانستان میں اہم کروار ادا کی ایک مخلوط حکومت بنے، جس کے بعد عام اتفاقات کے ذریعے ایک مخلوط حکومت تکمیل وی جائے، جو موجودہ اشرف غنی انتظامیہ اور طالبان پر مشتمل ہو۔ اس صورت میں ہی افغانستان کے مقامی فریقوں میں تباہی ختم ہو سکتا ہے۔ بدترین صورت یہ ہے کہ مفاہمتی عمل ناکام ہو جائے اور تمام علاقوں میں مالک بھی کوئی حل نکالنے میں ناکام رہیں تو چین اقوام متحده سے افغانستان کے استحکام کے لیے مداخلت کا مطالبہ کر سکتا ہے۔

چینی تجزیہ کاروں کے مطابق اگر امریکی اخلاق کے بعد تکمیل کو کوئی خطرہ لا جائی تو چین اقوام متحده کے چارڑ کے مطابق افغانستان میں اہن فوج تھجیے کے بارے میں غور کر سکتا ہے۔

یا ایک اشارة ہے چین کے مکمل عمل کے بارے میں۔ اس حوالے سے سرحد پر چین کا سکیورٹی بڑا دینا پوری طرح قابل فہم ہے، باہمی تعاون کے بیرونی چین کی سکیورٹی انتظامات کو افغانستان کے اندر تک پھیلا سکتا ہے۔ حالیہ برسوں میں ان سرگرمیوں کے شواہد ملے ہیں، چین واکھان رہداری میں افغانستان کو گشت میں مدد فراہم کرتا رہا ہے۔

گزشتہ جوڑی میں افغانستان میں چینی جاؤںی نیٹ ورک بھی کچھ ایسا تھا۔ چین اب بھی پر امید ہے کہ معاشری ترقی سے افغانستان مکالمہ ہو سکتا ہے۔ سکیورٹی صورتحال کے حوالے سے یہ تجزیہ یہ حقیقت پسندانہ ہے۔ اس مقدمہ کے لیے چین افغانستان کو بیلت ایڈ روڈ منصوبے میں شامل کرنا چاہے گا۔ یہ سی پیک کا تو سیکی منصوبہ ہو گا۔ یہ تجویز سب سے پہلے ۲۰۱۴ء میں سامنے آئی تھی اور پچھلا سال اس حوالے سے کافی حوصلہ افزار ہا، جب گوارپورٹ کے ذریعے افغانستان نے

متاثر کرنے کی صلاحیت برقرار رہے گی۔ یہ یقینی طور پر چین کے لیے اچھی خبر نہیں ہے۔ ایک بار جب امریکا اپنی مالی اور اخلاقی فہریوں سے آزاد ہو جائے گا تو اس کے لیے اپنے وسیع ایجنڈے کی تکمیل کے لیے کام کرنا آسان ہو جائے گا۔ چین اور عظیم طاقتیوں کے درمیان جاری مقابلے پر توجہ دینے کی ضرورت نہیں ہے افغانستان سے امریکی اخلاق کے نیچے میں اہم کروار ادا کیا ہے۔ امریکی وزیر خارجہ کے حالیہ بیان کے مطابق اب امریکا اپنی توہانی اور سماں چین سیاست دیگر اہم معاملات سے منٹنے پر لگائے گا۔ یہ بیان چین کی سوچ کی صدیقین کرتا ہے کہ افغانستان میں اہم کروار ادا کی ایک مخلوط حکومت صلاحیت میں اضافہ کر دے گا۔ جس کے چین کے لیے کوئی سلطھوں پر مضرات ہوں گے۔ بیجنگ کے لیے امریکا کی فوجی فہریوں میں کمی معاملات کو مزید پیچیدہ کرے گی، کیوں کہ امریکا افغانستان میں ہی چین کے امکانی کروار کروکنے کے ساتھ اپنے مفادات کا تحفظ بھی کرے گا۔ چین کے لیے سب سے پریشانی کی بات یہ ہے کہ جنگی مشن کے خاتمے کے بعد پُر عزم ہے۔ لہذا فوجوں کی واپسی صرف علاحدی ہے۔ چینی تجزیہ کاروں کے مطابق امریکا متعدد طریقوں کے ذریعے کامل پر اپنا اثر و رسوخ برقرار رکھے گا۔ امریکی سکیورٹی اہلکاروں کا ایک بڑا اہم اسٹریکٹ افغانستان میں موجود رہے گا۔ اس کے علاوہ وسیع سیاسی رابطے اور شرکت داری کے ذریعے بھی امریکا کے معادن ثابت ہوں گے۔ امریکا نے افغانستان میں سیاسی اشرا فیکے ساتھ شرکت داری اور سرپرستی کا جامع نیٹ ورک قائم کر لیا ہے اور یہ تعلقات ملکی سیاست میں اہم کروار ادا کرتے رہیں گے۔ چونکہ امریکا کے لیے جنوبی ایشیا میں اتحادیوں اور شرکت داروں کے ساتھ تعلقات اہم ہیں تو بیجنگ کی نظر میں آئندہ افغان کوئی جملہ نہیں کر سکی کہ درار موجود رہے گا۔ چین کے لیے جو بایدن کی ایک ذلت آئیز بار کو بند کرنے کی کوشش ہے اور امریکی اثر و رسوخ میں کمی کے بغیر افغانستان کے حوالے سے اپنی مادی اور اخلاقی ذمہ داریوں سے دشمن داری ہے۔

امریکی اخلاق اور چین کو طویل ترین جنگ کے علاحدی اور سیاسی اخلاق اور چین کے جانے کے بعد افغانستان شدید عوامی جواب دہی کے افغانستان میں کام کرنے کی مکمل آزادی حاصل ہو جائے گی۔ چینی نظر میں یہ اخلاق امریکی سیاسی اور مالی ذمہ داریوں کو کم کرتا ہے جبکہ امریکا کی افغانستان کے حالات کو

ہو گیا ہے۔ اس کے باوجود یہ بھی کو اب بھی امید ہے کہ واشنگٹن مدد کے لیے چین کا رخ کرے گا اور اگر ایسا ہوتا ہے تو شاید چین اس کا بہت بہت جواب دے گا۔ امریکی فوجوں کی وابستی کے حوالے سے چینی بیانیہ میں غیر معمولی بات امریکی اخلاق پر مستقل بھک و شہ کا انہمار ہے۔ یہ سوال بہت اہم ہے کہ کیا واقعی امریکا افغانستان سے کنارہ کشی اختیار کر رہا ہے۔

چینی نظر سے اگر امریکا اپنے فوجی دستوں کو واپس بلا بھی لے گا تو بھی ممکن طور پر کامل میں امریکا اپنی سکیورٹی موجودگی برقرار رکھے گا، امریکا کا فوجی سکیورٹی فورسز، دفاعی ٹھیکیڈاروں اور مقامی شرکت داروں پر اثر و رسوخ برقرار رہے گا۔ اس وقت بھی افغانستان میں ۲۵۰۰ را مریکی فوجی موجود ہیں اور اس میں خصوصی دستے بھی شامل ہو جائیں تو یہ تعداد ۳۳۰۰ مبتداً ہے۔ فوج کی اس مختصر تعداد کے ذریعے جنگ میں کوئی فیصلہ کرن کروار نہیں ادا کیا جاسکتا ہے۔ لیکن امریکا اس علاحدی تعداد کے ذریعے واضح پیغام دے رہا ہے کہ وہ اب بھی خلیفہ میں موجودگی برقرار رکھنے کے لیے سیاسی طور پر پُر عزم ہے۔ لہذا فوجوں کی واپسی صرف علاحدی ہے۔ چینی تجزیہ کاروں کے مطابق امریکا متعدد طریقوں کے ذریعے کامل پر اپنا اثر و رسوخ برقرار رکھے گا۔ امریکی سکیورٹی اہلکاروں کا ایک بڑا اہم اسٹریکٹ افغانستان میں موجود رہے گا۔ اس کے علاوہ وسیع سیاسی رابطے اور شرکت داری کے ذریعے بھی امریکا کے معادن ثابت ہوں گے۔ امریکا نے افغانستان میں سیاسی اشرا فیکے ساتھ شرکت داری اور سرپرستی کا جامع نیٹ ورک قائم کر لیا ہے اور یہ تعلقات ملکی سیاست میں اہم کروار ادا کرتے رہیں گے۔ چونکہ امریکا کے لیے جنوبی ایشیا میں اتحادیوں اور شرکت داروں کے ساتھ تعلقات اہم ہیں تو بیجنگ کی نظر میں آئندہ افغان کوئی جملہ نہیں کر سکی کہ درار موجود رہے گا۔ چین کے لیے جو بایدن کی ایک ذلت آئیز بار کو بند کرنے کی کوشش ہے اور امریکی اثر و رسوخ میں کمی کے بغیر افغانستان کے حوالے سے اپنی مادی اور اخلاقی ذمہ داری ہے۔

امریکی اخلاق اور چین کو طویل ترین جنگ کے علاحدی اور سیاسی اخلاق اور چین کے جانے کے بعد افغانستان شدید عوامی جواب دہی کے افغانستان میں کام کرنے کی مکمل آزادی حاصل ہو جائے گی۔ چینی نظر میں یہ اخلاق امریکی سیاسی اور مالی ذمہ داریوں کو کم کرتا ہے جبکہ امریکا کی افغانستان کے حالات کو

# برونائی کا پوشیدہ معاشری بحران

Asif Ullah Khan

کہتے ہیں کہ یہ وہ ملک، بالخصوص مغربی دنیا میں پڑھ لکھ کر آئے والے خاصی آزادی بس کرنے کے عادی ہوتے ہیں۔ وہ جب یہ دیکھتے ہیں کہ برناٹی کے معاشرے میں خالات اور نظریات کو دہانے کی روشن ہے تو ان میں احتیاجی روایہ پیدا ہوتا ہے۔ مغرب میں تعلیم پانے والوں کو جب ملک میں بھرپوری کا ماحول نہیں ملتا تو وہ صرف اپنے گھر یا خاندان ہی کے لیے نہیں بلکہ پورے معاشرے کے لیے مسلسل بن جاتے ہیں۔

فنس انٹرکریمزٹرڈین کہتے ہیں کہ برناٹی میں وہی امراض کے پیشہ کی رفتار بڑھ چکی ہے۔ لوگ بہت کچھ چاہتے ہیں اور ان کی خواہش ہے کہ مسائل کے باوجود معیار زندگی برقرار رہے۔ لوگ جانتے ہیں کہ دنیا بھر میں معاشری حالات بدل چکے ہیں اور اس کے نتیجے میں بہت کچھ متغیر رنگ میں سامنے آیا ہے۔ پھر بھی وہ چاہتے ہیں کہ حکومت کی فیاضی کی پروارتوں انجوں نے جو بھی حرے اڑائے ہیں اڑاتے رہیں۔ وہی وسمانی صحت چاہتے ہیں کہ بھی ہو، لوگ چاہتے ہیں کہ ان کی ساکھر قرار رہے۔ مسٹر ڈین ہریز بھی کہتے ہیں کہ لوگوں کو معاشری معاملات کے بارے میں باقاعدگی سے تابیا جائے تو بہت کچھ بہتر ہو سکتا ہے۔ ان کے خیال میں معاملات کی اور نہیں بلکہ خود برناٹی کے باشندوں نے بکاڑے ہیں۔ کوئی کسی سے زور زد تی خیں کرتا اور کوئی ہمارے سر پر پتوں رکھ کر نہیں کہتا کہ آئی خون خریدو۔

مسٹر ڈین کہتے ہیں کہ لوگوں کو معاشری معاملات کے بارے میں تفصیل سے تابیا جانا چاہیتے تاکہ انہیں صرف یہی معلوم نہ ہو کہ بجٹ کیسے بنایا جائے بلکہ یہ بھی جانتے ہوں کہ معاشری و مالیاتی ظلم و ضبط کیا ہوتا ہے اور اس سے زندگی کس طور بہتر ہوتی ہے۔ ایک بڑی مصیبت یہ ہے کہ برناٹی میں عام آدمی قرضوں کے ساتھ جیسے کا عادی ہو چکا ہے۔ لوگ جی بھر کے قرضے لیتے ہیں اور پھر انہیں چکانے کی تگ و دو میں لگتے رہتے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ وہ اپنے بجٹ کی حدود میں جینا پسکھیں گے اس کے بر عکس وہ قرضے لیتے جاتے ہیں اور اپنی مرضی کی جگہ پر تین اشیاء خریدنے کی راہ پر گامزن رہتے ہیں۔

ایک صحافی کا کہنا ہے کہ لوگ اس حقیقت کو جانتے تو وحثی نظر انداز کرتے ہیں کہ معیشت کا استحکام واپس لگ چکا ہے۔ کامل طور پر چڑھیم کی برآمدات پر مدار کرنے سے معیشت کمزور پڑ گئی ہے۔ اب لازم ہو چکا ہے کہ ملک کو بہتر حالات میں رکھنے کے لیے کچھ اور سوچا جائے۔ معیشت جو دن کا شکار ہے۔ یہ جو دن قومی آمدن کے مقابل ذرا رُخ تلاش کرنے ہی سے

صلاحیت ہی واپس لگ جاتی ہے۔ برناٹی کے باقی تین ہزار باشندے عجیب کیفیت کے حامل ہیں جس میں وہ کسی بھی وقت موڑ کی خرابی سے دوچار ہو سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں شخصیت کی ڈوٹی پر ہمیت بھی بڑا مسئلہ ہے۔ یہ بیماری انسان کو منظم کر دیتی ہے۔ برناٹی میں وہی امراض کے حوالے سے سب سے پریشان کن اسرار یہ ہے کہ چار سال کے دوران خودکشی کرنے والوں کی تعداد بھی ہو چکی ہے۔

رائل برناٹی پلیس نے خودکشی کے حوالے سے جو اعداد و شمار جاری کیے ہیں ان کے مطابق ۱۵۲۰۱۶ء میں خودکشی کرنے والوں کا تابع ۹۰۴۱ ایک لاکھ تھا۔ ۲۰۱۸ء میں یہ تابع ۲۰۲۱ء میں ایک لاکھ پوکھا تھا۔ ۲۰۱۷ء اور ۲۰۱۸ء میں برناٹی میں خودکشی کرنے والوں کی تعداد میں کم و بیش ۲۰۰۰ فیصد کا پریشان کن اضافہ دیکھا گیا۔ گز شدید رس فروری میں پیش میلش ہیلٹھ ہیلپ لائن نالیان ہیراپن ۱۳۵۰ شروع کی گئی تھی۔ اب اس ہیلپ لائن پر ہر ماہ کم و بیش ۲۰۰۰ رافراڈ اور ابطة قائم کر کے وہی صحت کے حوالے سے ماہر انہ رائے لیتے ہیں۔

برناٹی میں ۱۰ سال سے بھی زائد مدت سے پریش کرنے والے بھارتی ڈاکٹر عبدالحق کا کہنا ہے کہ برناٹی میں وہی صحت سے مقابل چیزیں اور خودکشی کے راجحان کے پیشے میں کئی عوامل نے کلیدی کردار ادا کیا ہے۔ ان کے خیال میں حکومت کی جانب سے ہر معاملے میں زبردست دیے جانے سے بھی معاملات بگڑے ہیں۔ جب لوگوں کو یقین ہو جاتا ہے کہ کچھ چیزیں تو ہر حال میں میں گی تو وہ دوسرا چیزیں کی طرف لپٹتا ہے۔ سلطان کے حکم پر کی جانے والی فیاضی نے عوام کو مادہ پرست بنا دالا ہے۔ وہ اب بہت سی چیزیں کو اپنا حق سمجھتے ہیں۔ بھی کو جدید ترین سہولیں اور تیغیات کے حصول کی خواہش ہے۔

برناٹی میں عام آدمی کا معیار زندگی انتہائی قابل رنگ رہا ہے۔ عام گھر میں تین تین کاریں عام ہیں کیونکہ پڑوں اور ڈیزیل بہت ستابا ہے۔ سنگاپور کے ڈاٹ اور برناٹی کی کرنی کی مالیت بر اہم ہے۔ برناٹی میں پیشے کے پانی کی بوتلیاں یا ایک کپ چاۓ کے مقابلے میں ایک لیٹر پڑوں یا ڈیزیل ستابا ہے۔ یہ وہ ملک میں چھوڑتی کیونکہ وہ پیشتر معاملات میں شدید تذبذب اور اچھیں کا شکار رہتا ہے۔ انکار میں انتہا رہنیا ہوتا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ڈھنگ سے سوچنے کی

برناٹی کا شمار انتہائی مالدار ریاستوں میں ہوتا ہے۔ برناٹی ایک زمانے سے معاشری استحکام اور خوش حالی کی علامت ہے۔ دنیا بھر میں رونما ہونے والی معاشری مشکلات نے برناٹی کو بھی نہیں بخشا ہے۔ اب ایسا لگتا ہے کہ یہ ریاست بھی حالات کا شدید و باذ جھیل رہی ہے۔ ایک طرف عالمی معاشری خرابیاں ہیں جو معاملات کو بھاری ہیں اور دوسری طرف اندر وطنی قرضے ہیں جن کا بڑھتا ہوا ہجوم برناٹی سے اس کی مفردیتی چھینکے کر دی پے ہے۔

جنوب مشرقی ایشیا کی یہ چھوٹی سی ریاست خوشمالی کی انوکھی داستان سنائی دیتی ہے۔ پانچ لاکھ تک کی آبادی والی یہ چھوٹی سی سلطنت فی کس آدمی کے اختبار سے دنیا کی خوش حال ترین ریاست کی جاسکتی ہے۔ برناٹی کے بادشاہ انتہائی فیاض واقع ہوئے ہیں۔ وہ بھی دنیا کے مالدار ترین فرد تھے۔ انہوں نے سلطنت میں تعلیم اور صحت عامہ کی سہولیں کمل طور پر مفت کر کھلی ہیں۔ خوارک پر غیر معمولی زراعتیں دیا جاتا ہے اور رہائشی سہولتوں پر بھی۔ برناٹی کے پیشتر باشندے سے سرکاری ملازم ہیں اس لیے ایسیں غیر معمولی معاشری استحکام میسر ہے۔

برناٹی کی دولت اور عمومی خوش حالی کو دیکھتے ہوئے یہ بات بہت عجیب لگتی ہے کہ اس نہیں منی سلطنت میں وہی امراض میں بتانی افراد کی تعداد بڑھتی ہے جا رہی ہے۔ گز شدید رس وہی صحت کے عالمی دن کے موقع پر برناٹی کے وزیر صحت نے بتایا کہ برناٹی کے کم و بیش سات ہزار باشندے (یعنی آبادی کا ڈیڑھ فیصد) مختلف وہی عوارض، اضطراب، شدید وہی دباو اور معاشری طور پر الگ تھلگ رہ جانے کے احساس سے دوچار ہیں۔ وزیر موصوف نے بتایا کہ ان میں سے چار ہزار فراہمیز فریبا (شقاچی دماغی) میں بتا ہیں۔ اس بیماری میں لوگ شدید وہی دباو محسوس کرتے ہیں اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ معاملات کو کچھ کا کچھ سمجھتے ہیں۔ یہ بیماری جب شدید اختیار کرتی ہے تو انسان کو ڈھنگ سے زندگی سر کرنے کے قابل نہیں چھوڑتی کیونکہ وہ پیشتر معاملات میں شدید تذبذب اور اچھیں کا شکار رہتا ہے۔ انکار میں انتہا رہنیا ہوتا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ڈھنگ سے سوچنے کی

# جی۔ے: چین سے مقابلے کی کوشش؟

ٹرمپ کے دور حکومت میں، امریکا BRI کے خلاف مستقل یونان باڑی کرتا رہا ہے۔ ۲۰۱۸ء میں امریکا کے سیکریٹری آف ائیریٹ مایک پو بیو نے چین کی پیش قدمی روکنے کے لیے ایک تھوس فنڈ قائم کرنے کے عزم کا اعلان کیا تھا، لیکن وہ کوشش کے باوجود اس حوالے سے صرف ۳۰۰ ملین جمع کر سکا تھا۔

پچھے عرصہ پیشتر امریکا نے آسٹریلیا اور چاپان کے ساتھ مل کر "Blue Dot" کے نام سے ایک منصوبے کا آغاز کیا۔ لیکن اس منصوبے کو بھی خاطر خواہ پریزی نہیں مل سکی۔ امریکا اور اس کے اتحادیوں کے لیے مشکل ہے کہ وہ چین کے کم لگتے لیکن اعلیٰ معیار کے منصوبوں کا مقابلہ کر سکے۔ چین اپنے مقاصد کے لیے کسی بڑے پروجیکٹ میں سرمایہ کاری سے در پیغ نہیں کرتا، اس طرح کہر مایہ کاری کسی اور ملک کے لیے ممکن نہیں۔

اس سال کے آغاز میں امریکا کے موجودہ صدر بائیدن نے بھی بور جائیں کے ساتھ مل کر BRI کے حوالے سے مشترک کوششوں کے لیے بات کی تھی۔ اس وقت امریکی صدر چین کے ساتھ ہر خدا پر بھر پور سبقت جا ہے ہیں۔ امریکا کے لیے دوسرے ممالک کے انفراء ستر کچھ میں مدد اور اس میں سرمایہ کاری کرنا مشکل نہیں۔

اس حوالے سے چاپان کی مثال ہمارے سامنے ہے، چاپان نے ایشیائی ممالک میں بڑی خاموشی سے خلیر قم کی سرمایہ کاری کی ہے۔ معیار کے اعتبار سے چاپان، چین سے بہت آگے ہے۔ اگر جی۔ے ممالک، پورپیونیں اور ترقی یافتہ ایشیائی ممالک: چاپان، آسٹریلیا کے ساتھ شراکت کریں تو متاثر مختلف ہو سکتے ہیں۔ امریکا یہ صلاحیت رکھتا ہے کہ وہ اس نوعیت کی شراکت میں قائدانہ کردار ادا کر سکے۔ تاہم، یہ اہم ہے کہ اس نوعیت کے کسی بھی منصوبے کی کامیابی کے لیے وسائل اور سیاسی عزم کا ہونا ضروری ہے۔

(ترجمہ: محمود الحق صدیقی)

"The problem with the G7's plan to rival China's Belt and Road Initiative".  
("newstatesman.com". June 11, 2021)

## James Crabtree

چین کے حریفوں کی ہر ملک کوشش ہے کہ کسی طرح وہ چین کی اقتصادی راہداری (Belt and Road Initiative) کے مقابلے کوئی قابل عمل منصوبہ پیش کر سکیں۔ حالیہ جی۔ے ممالک کے اجلاس میں بھی اس حوالے سے انہوں نے خود خوش کیا لیکن وہ ابھی تک کوئی تبادل پیش نہیں کر سکے۔

Clean Green Initiative کا منصوبہ مغرب اور چین کے درمیان جاری حریفانہ کشاکش کا تسلیم ہے۔ دراصل یہ بھی کی بڑھتی ہوئی پیش قدمی کو روکنے کے لیے دنیا کی بڑی طاقتیں بے چین ہیں۔

۲۰۱۳ء جب سے چین کی اقتصادی راہداری (BRI) کا آغاز ہوا، دنیا کی ۱۰۰ اراہتر تی ہوئی میعشتیں نے اس کا حصہ بننا پسند کیا۔ اس منصوبے میں ۱۰۰ ارب ڈالر سے زیادہ سرمایہ کاری کی گئی ہے۔

Belt and Road Initiative کے تحت ترضیح حاصل کرنے والے ممالک کے لیے چین سے حاصل کیے گئے قرضوں کی واقعی، پروجیکٹ کی کامیابی سے تکمیل، مزدوروں کے حقوق کا خیال اہم چیز ہے۔ صرف ایشیائی ممالک کو اگلی دہائی میں اپنے انفراء ستر کچھ کوئی طرز پر استوار کرنے کے لیے ارکھرب ڈالر درکار ہوں گے۔ لہذا یہ ممالک BRI کے تبادل کسی دوسرے منصوبے میں بھی شامل ہو سکتے ہیں۔

جی۔ے ممالک نے ٹھیک وقت کا انتخاب کیا ہے۔ کیونکہ اس وقت کو روپا نے BRI کو بہت زیادہ تباہ کیا ہے۔ لاک ڈاؤن کی پابندیوں کی وجہ سے چین کے مزدور پروجیکٹ کے لیے دوسرے ممالک کا انفراء نہیں کر سکتے۔ معماش چلنگز کے پیش نظر چین کی قیادت بھی دوسرے ممالک میں کسی نئے پروجیکٹ کا خطرہ دوں لیتے کوئی نہیں۔

جی۔ے ممالک اس صورتحال میں کیا فیصلہ کرتے ہیں یہ اہم ہے۔ تاہم، معلومات کے مطابق Clean Green Initiative کوئی غیر معمولی منصوبہ نہیں اور نہایت یہ کسی بھی طور پر مل کرنے کے لیے درست سوچ اور درست پالیسیوں کی ضرورت ہے۔ اور ہاں، اس میں پچھوپت وقت بھی لگے گا۔

(۱) عصف اللہ خان (لوحافت کی دنیا میں اپنے آپ منوار کی زمانے میں چک ہیں۔ وہ "دی ہنگر اف ایڈیا"; "ٹیچ ہنگر" اور "دی بر ونائی ہنگر" کی خدمت انجام دیتے رہے ہیں۔ (ترجمہ: محمد احمد اکرم خان)

"Brunei's hidden economic crisis".  
("thediplomat.com". June 29, 2021)

دو کیا جاسکتا ہے۔ خاتون صحافی کا کہنا ہے کہ یہ تصور بالکل غلط ہے کہ لوگ جی۔ہر کے آسائشات تیختات استعمال کرتے ہیں، قرضوں پر قرضے لیے جاتے ہیں اور یہ سوچتے ہیں کہ اگر وہ پچھس گئے تو سلطان آکر انہیں بچالیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ لوگ کام کرنا چاہتے ہیں مگر حکومت کے پاس انہیں دینے کے لیے روزگار کے موقع نہیں۔ پڑو یعنی سہت کر ہے کیا؟ کون سا ایسا شعبہ ہے جو ملازمت کے بہتر موقع فراہم کر سکے؟ خاتون صحافی کہتی ہیں کہ ہماری میشیت ایسے بچکی طرح ہے جس نے اڑنا تو سیکھ لیا ہے، چنانہیں سیکھا۔ لوگ وسائل کی حدود میں رہتے ہوئے زندگی بسر کرنے کے کبھی عادی رہے ہی نہیں۔ ایسے میں سوچا جاسکتا ہے کہ ان کے لیے کس طرح کی مشکلات نے چشم لیا ہو گا۔ جس نے اڑنا سیکھا اور چنانہیں سیکھا وہ اب مفلوٹ سا ہو چکا ہے۔ صاف محسوس کیا جاسکتا ہے کہ پہلی دنیا کے مسائل بر ونائی کے حوالہ کو تیری دنیا کے مسائل کے گزد ہے میں اگر ارہے ہیں۔

سوچل میڈیا کے ایک ماہر کا کہنا ہے کہ بر ونائی کی نئی نسل کو اب اس بات کا اندازہ ہو چکا ہے کہ تو می میشیت مشکل میں ہے اور یہ کہ کہیں سے کوئی مدد کے لیے نہیں آئے گا، اپنے مسائل خود حل کرنے ہیں اور خوب محنت کرتے ہوئے خود کو نئی زندگی کے لیے تیار کرنا ہے۔ عموم افراد یہ سوچ ضرور رکھتے ہیں کہ یا تو اللہ کی طرف سے کوئی خاص مداؤ آئے گی یا پھر سلطان انہیں بچالے گا۔ نئی نسل ایسی کسی بھی خوش ہنگی یا غلط ہنگی میں بنتا ہے۔ سوچل میڈیا کے اس ماہر اور مشیر کا کہنا ہے کہ کسی زمانے میں یہ تصور پایا جاتا تھا کہ بر ونائی ایک ایسی معاشی جنت ہے جس کا چیزوں ویں دنیا کے معاشی مسائل سے کوئی بھی تعقیل نہیں۔ یہ تصور اب ختم ہو چکا ہے۔ سب کو اور بالخصوص نئی نسل کو اندازہ ہے کہ اپنے مسائل خود حل کرنا ہوں گے اور کسی پر مدار رکھنے کے بجائے اپنے زور بازو پر بھروسہ کرنا ہو گا۔

مسٹر ڈین کہتے ہیں کہ صورت حال بہت چیزیں ہے۔ سب کوں کر کچھ کرنا ہو گا۔ بر ونائی کے لیے مشکلات بڑھتی جا رہی ہیں اور اس کا دراک سمجھی کوہے۔ میشیت کے مسائل کو حل کرنے کے لیے درست سوچ اور درست پالیسیوں کی ضرورت ہے۔ اور ہاں، اس میں پچھوپت وقت بھی لگے گا۔

(۲) عصف اللہ خان (لوحافت کی دنیا میں اپنے آپ منوار کی زمانے میں چک ہیں۔ وہ "دی ہنگر اف ایڈیا"; "ٹیچ ہنگر" اور "دی بر ونائی ہنگر" کی خدمت انجام دیتے رہے ہیں۔ (ترجمہ: محمد احمد اکرم خان)

# دنیا نے ایرانی صدر سے خائف کیوں ہے؟

روشنی نے کی تھی۔

## آصف شاہد

صدر روحانی کی حکومت نے سچھلی اصلاح پسند حکومتوں کی طرح بڑے بڑے وحدے کیے لیکن عملی طور پر زیادہ کچھ کر نہیں پائے بلکہ کمزور اور درمیانی طبقات معاشری طور پر زیادہ متاثر ہوئے۔ امریکی پابندیوں کے ساتھ ساتھ خراب گورنمنٹ نے ایرانیوں کا یہ حال کیا کہ تیل کی قیمتیں بڑھنے پر نوبت ۲۰۱۹ء میں پُر تند دمظاہرے ہوئے اور نیم فوجی و ستون نے مظاہرین پر گولی چالائی، جس کے نتیجے میں ڈیڑھ ہزار افراد سے مرنے کی روپورش مظہر عالم پر آئیں۔

ایران کے روایتی حریف اسرائیل کے وزیراعظم نفتانی بیان نے تو میں الاقوامی برادری سے مطالبہ کیا کہ عالمی برادری نیز سے بیدار ہو اور دیکھے کہ وہ کس کے ساتھ معاملات کر رہی ہے، ایران میں بننے والی جلادوں کی حکومت کو جو ہر ہی تھیاروں تک رسائی نہیں ملی چاہیے۔

آخر ابراہیم رئیسی کی شخصیت میں ایسا کیا ہے جس سے ان کے حریف اتنے خائف ہیں اور ان سے متعلق انگلی گفتگو کر رہے ہیں۔ دراصل ایران میں ۱۹۹۷ء سے اصلاح پسندوں کے درمیان انتظامی اور قانونی سازی کے اختیارات کے لیے شروع ہونے والی گلگاش اس ایکش میں قدم ات پسندوں کے کملن کنٹرول پر فتح ہوئی ہے جس سے ایران کے اندر اور باہر بے چینی پائی جاتی ہے۔

ایران میں طاقت کی گلگاش کے اس دور میں سابق صدر خاتمی کی اصلاح پسند حکومت نے بڑے بڑے وحدے کیے لیکن عملی طور پر زیادہ کچھ نہیں کر پائی تھی۔ صدر خاتمی نے ایرانی معاشرے میں شاپنگ میٹن کو قدرے کم کیا تھا لیکن ان کی حکومت کے ختم ہونے کے ساتھ ہی ان کی یہ کامیابی بھی روک پیک ہو گئی تھی۔

۲۰۰۵ء میں احمدی نژاد کی صدارتی انتخاب میں کامیابی کے ساتھ قدم ات پسندوں نے ایران کو دوبارہ انتظامی راستے پر ڈالنے کی کوشش کی، لیکن دوسری ددت صدارت میں احمدی نژاد کی ایرانی اٹھیلہ شمہست کے ساتھ ہی لڑائی ہو گئی اور تنزع انتخابات کے نتیجے میں ایرانی عوام ہرگز کوں پر نکل آئے۔

۲۰۱۳ء میں صدر روحانی کا اقتدار میں آتا اصلاح پسندوں اور ریاست کے پرانے نیکوکریت اشرافیہ کے درمیان اتحاد کا نتیجہ تھا اور اس اتحاد کی سرپرستی سابق صدر جواب مغربی دنیا میں پائی جانے والی بے چینی کو تھنچے میں مد

وے سکتا ہے۔ ۱۹۷۹ء کے انقلاب سے ۲۰۱۵ء کا پہلے، ۱۵ اسلامی رئیسی نے اپنے آبائی شہر شہد سے قم کا غز کیا اور قم کے مشہور مدرسے میں واخلم لیا۔ ۱۹۸۱ء میں ابراہیم رئیسی نے تعلیم چھوڑ کر ایرانی دار الحکومت کے نواحی قبہ کرچ کا پرائیور بننے کا فصل کیا۔

۱۰ سال سے بھی کم عرصے میں ابراہیم رئیسی ایرانی عدالتی میں اہم عہدوں پر ترقی پاتے چلے گئے اور ایران کی اس سیاسی و عدالتی کمیٹی کے رکن بن گئے جو نموت کمیٹی کے نام سے مشہور ہوئی اور اس کمیٹی نے ۱۹۸۸ء میں سیاسی قیدیوں کو چھانی کی سزا میں دیں۔

چھانی پانے والوں میں زیادہ تر بائیکیں بازو کے کارکنان اور منحر گروپ مجاہدین غلط (ایم ای کے) کے ارکان تھے۔ انسانی حقوق کے گروپوں کا اندازہ ہے کہ تب ایران میں قربیاں ۵ ہزار افراد کو چھانی دی گئی تھی جبکہ مجاہدین غلط یہ تعداد ۳۰ ہزار تھا تھی ہے، گراس نے آج تک اپنے دعوے کی تائید میں کوئی بھوسٹ بیٹھنیں کیے۔

اس کمیٹی کی طرف سے جس قدریزی سے سزا میں سنائی گئیں اور عدالتی عمل پر شہادت پیدا ہوئے، اس پر اس وقت کے ایرانی سپریم لیڈر آیت اللہ روح اللہ خامنہ ای کے نامزد جانشین مر جوام آیت اللہ حسین علی نتھری نے بھی اعتراضات اٹھائے۔ آیت اللہ نتھری کا ان چھانیوں پر اعتراض دیگر عوامل کے ساتھ ان کو سپریم لیڈر کیا تباہت سے ہٹانے کا سبب ہوا۔ اسی سال ابراہیم رئیسی تہران کے پرائیور ٹرکر ہوئے اور انہیں مر جوام آیت اللہ اکبر ہاشم رضیجنی نے ایک معتدل شخص قرار دیا تھا۔

ایران نے کبھی ان چھانیوں کا مکمل اعتراض نہیں کیا اور خود رئیسی نے بھی اپنے خلاف اس ضمن میں الزامات پر کوئی بیان جاری نہیں کیا۔ ۲۰۱۹ء میں امریکا نے ابراہیم رئیسی پر انسانی حقوق کی خلاف ورزی کے الزامات عائد کرتے ہوئے ان پر پابندیاں عائد کیں۔ امریکا نے یہ پابندیاں ۱۹۸۸ء میں دی گئی چھانیوں کی نیابت پر کیے گئے عائد کیں۔

انسانی حقوق کی عالی نتیجہ مکمل نہ فتح کے روز ایک بیان میں کہا تھا کہ رئیسی کے خلاف انسانیت کے خلاف جرائم کی تحقیقات ہوئی چاہیں۔ ایکٹی کے سیکرٹری جنرل آنجلس کالامارڈ نے ایک بیان میں کہا کہ ابراہیم رئیسی اپنے خلاف قتل، لوگوں کو لایتا کرنے اور انسانیت خلاف جرائم کی تحقیقات کے بجائے صدارت تک بیٹھ گئے ہیں۔ یہ

اور تابع فرمانی ثابت کر دی۔ جیف جسٹس ابراہیم رئیسی نے خود کو میڈیا کی آزادی کا حامی اور سماجی نیت و رکھ کی بندش کا خالق بننا کر پیش کیا اور نوجوان طبقہ میں ساکھ بھتر بنانے کی کوشش کی۔

اس سال کے صدارتی انتخابات میں اشیلہ شمشت نے اصلاح پسندوں کو نااہل کیا اور ان کی صدارت کے راستے کے تمام کا نئے چون دیے۔ ابراہیم رئیسی بذات خود معتدل مزاج اور خوش گفتار ہیں لیکن ان کی پالیسیاں پس پرده بیٹھنے سخت گیر اور قدامت پسند بنا سکیں گے۔

abrahamim rehmi ki sadarat mien ayran mien bazi shafq ya samajhi tajdeed miliyan موقع نہیں۔ abrahamim rehmi waqat mard o khawatini ke axtatok ke khalaf hain auran ka khabna hain ke kahan hain alk alq rukhna hui khawatini ke mafad mien hain aur khawatini mein qabina an ki as bat ki tataim kriyin gi۔

اسرائیل اور مغرب کے ساتھ تعلقات میں بہتری بھی ابراہیم رئیسی کی ترجیحات میں شامل نہیں اسی لیے انہوں نے معاشری ترجیحات بیان کرتے ہوئے کہا تھا کہ وہ معاشری مزاحمت یعنی خود انحصاری کی پالیسی اپنائیں گے، یہ ورنی سرمایہ کاری لانے پر تو انکی خرچ کرنے کے بجائے زراعت پر توجہ دیں گے۔ ان کا کہنا ہے کہ غربت ختم کرنے کا واحد راستہ مزاجی معیشت ہے۔

انتخابی مہم کے دوران انہوں نے کہا تھا کہ ایران کی معاشری مشکلات کا مکمل ذمہ دار معاشری پابندیوں کو نہیں سُھرا ریا جاسکتا۔ مہنگائی خود کا سب سے بڑا مسئلہ ہے، کھانے پینے کی اچانس کی قیمتیں غیر معمولی حد تک بڑھ چکی ہیں۔ معاشری مشکلات کا ذمہ دار اسرائیل کی پابندیوں کو سُھرا نہیں یہی ہے جیسے کوئی گول کیپر ۳۰ گول کے بعد کہے کہ اگر میں نہ ہوتا تو ۳۰ گول ہو جاتے۔

(حوالہ: "دان نیوز ڈائلائی وی" ۲۶ جون ۲۰۲۱ء)



## اطلاع برائے قارئین

۱۶ جون ۲۰۲۱ء کا شمارہ نمبر ۱۲ بوجوہ شائع نہیں ہو سکا۔ اس کے لیے ہم معذرات خواہ ہیں۔

لیڈر کے لیے ایک تبلیغ بنا گیا، اسی بنا پر سپریم لیڈر کی نیم نے ایسا فروختا شکر شروع کیا جس میں نافرمانی کے جرا شیم صفر ہوں اور وہ عوام میں بھی مخفی تاثر نہ رکھتا ہو، یوں نظر انتخاب ابراہیم رئیسی پر تکلیف گئی۔

abrahamim rehmi ke sadarat ke liye tiar karنا شروع kia gaya aur as مقصد ke liye aise ۲۰۰۹ء mien astan quds rwozi ka sarrabah na mazd kia gaya۔ ye adaro hael tashiq ke liye mads terin hasti aur ۸ ویں imam uli rضا ke roxne ka mazmum ہے۔ آستان قدس رضوی ایران کے باڑ ترین اور امیر ترین اداروں میں سے ایک ہے۔ اس ادارے کا مقظوم یا سربراہ ایران کے ۵ راہلی ترین عہدے داروں میں سے ایک شمار ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ انہیں بھی گردش کرنے لگیں کہ سپریم لیڈر آبیت اللہ علی خامنہ ای، abrahamim rehmi ko apna jansheen na mazd karna jaati ہے یہی انہوں کی وجہ سے کچھ قدامت پسند میڈیا داروں نے انہیں آبیت اللہ علی کھانا شروع کر دیا۔ آبیت اللہ کا القب ان افراد کو دیا جاتا ہے جو علم دین و فتنہ پر مکمل درستی رکھتے ہوں اور سپریم لیڈر کے لیے ضروری ہے کہ وہ اجتہاد کے قابل ہو۔

آستان قدس رضوی کی سربراہی، سپریم لیڈر کی جائشی کی انہوں اور چند میڈیا داروں کی طرف سے انہیں آبیت اللہ کے جانے پر ان کا عوام میں قدر بر دھانا شروع ہوا اور سیاسی اڑ و رسوخ بھی بڑھا۔ ایک سال آستان قدس رضوی کی سربراہی کے بعد abrahamim rehmi نے ۲۰۰۹ء کے صدارتی انتخاب کی دوڑ میں شامل ہوئے۔

آستان قدس رضوی کی سربراہی، سپریم لیڈر کی جائشی کی انہوں اور چند میڈیا داروں کی طرف سے انہیں آبیت اللہ کے جانے پر ان کا عوام میں قدر بر دھانا شروع ہوا اور سیاسی اڑ و رسوخ بھی بڑھا۔ ایک سال آستان قدس رضوی کی سربراہی کے بعد abrahamim rehmi نے ان دونوں سالہنیں کو ناقابل معافی آگاہ پر جیل بھونے کی دھمکی دی تھی۔ اسال ڈپٹی جیف جسٹس رہنے والے abrahamim rehmi کو اس وقت کے چیف جسٹس آبیت اللہ صادق الملی لا ریجنی نے تقلی کر کے ملک کا اثارنی جزل مقرر کر دیا تھا۔ اس تقلی کا سبب دونوں کے درمیان سپریم لیڈر کی جائشی کے لیے ہونے والی نگرانی بتائی جاتی رہی ہے۔

abrahamim rehmi ki qasmat an ka satkhodiyi رہی اور اشیلہ شمشت نے انہیں ملک کا صدر بنانے کے لیے tiar karna شروع کر دیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ایران کے سپریم لیڈر ملک کے صدر کو تابع فرمان دیکھا پسند کرتے ہیں اسی لیے اصلاح پسند صدر ان کے لیے قابل قول نہیں ہوتا۔ احمدی نژاد کو بھی اشیلہ شمشت نے صدر بنوایا تھا اور ان کے بارے میں خیال تھا کہ وہ تابع فرمان رہیں گے لیکن انہوں نے دوسری دست صدارت میں نافرمانی شروع کر دی۔ احمدی نژاد کا تجوہ سپریم

اس امر کی بھیاں کی یاد دہانی ہے کہ ایران میں اعلیٰ عہدے داروں کا مزرا سے نقچ ملکنے کا دور دورہ ہے۔

۱۹۹۷ء میں abrahamim rehmi ayran undeeli ki ngrani mienقام جزل اسیکشن آفس کے سربراہ مقرر ہوئے۔ abrahamim rehmi کے بارے میں عام خیال ہے کہ وہ ایران کے موجودہ سپریم

لیڈر آبیت اللہ علی خامنہ ای کے عقیدت مند ہیں اور ان کے احکامات بجالاتے ہیں، لیکن abrahamim rehmi ایک زمانے میں سپریم لیڈر کے بیانات پر تقدیم بھی کرتے رہے۔

۱۹۹۶ء میں ایرانی سپریم لیڈر نے صدر رفعجاتی کی حکومت میں بد عنوانی پر بیان دیا، جس کے بعد abrahamim rehmi نے رفعجاتی سے ملاقات کی اور اس موقع پر کہا کہ ان کے دفتر کو بڑے پیلانے پر بد عنوانی کے کوئی شوہد یا شکایات نہیں ملیں۔ abrahamim rehmi نے میکن بس نہیں کی بلکہ سپریم لیڈر کے بیان کو تھنچا دہ بھی قرار دیا۔

abrahamim rehmi ko agar chہ معتدلصور کیا جاتا ہے اور وہ سپریم لیڈر کے بیانات پر بھی تقدیم کرتے رہے لیکن ان کے بارے میں قربتی علقوں کی رائے یہ ہے کہ ذاتی طور پر معتدل رئیسی اشیلہ شمشت کی پالیسیوں پر مکمل عمل پیارہ ہے ہیں۔ اس

کی مثل ۲۰۰۹ء کا انتخابی نتارجع اور اس پر عدالتی کارروائی ہے۔ abrahamim rehmi نے ڈپٹی جیف جسٹس کی حیثیت سے مقدمہ نتا تھا، دو اصلاح پسند امیدواروں میر حسین موسوی اور مهدی کربوی نے احمدی نژاد کے حق میں انتخابی دھاندنی کا اڑام رکایا تھا، جس پر abrahamim rehmi نے ان دونوں سالہنیں کو ناقابل معافی آگاہ پر جیل بھونے کی دھمکی دی تھی۔ اسال

ڈپٹی جیف جسٹس رہنے والے abrahamim rehmi کو اس وقت کے چیف جسٹس آبیت اللہ صادق الملی لا ریجنی نے تقلی کر کے ملک کا اثارنی جزل مقرر کر دیا تھا۔ اس تقلی کا سبب دونوں کے درمیان سپریم لیڈر کی جائشی کے لیے ہونے والی نگرانی بتائی جاتی رہی ہے۔

abrahamim rehmi ki qasmat an ka satkhodiyi رہی اور اشیلہ شمشت نے انہیں ملک کا صدر بنانے کے لیے tiar karna شروع کر دیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ایران کے سپریم لیڈر ملک کے صدر کو تابع فرمان دیکھا پسند کرتے ہیں اسی لیے اصلاح پسند صدر ان کے لیے قابل قول نہیں ہوتا۔ احمدی نژاد کو بھی اشیلہ شمشت نے صدر بنوایا تھا اور ان کے بارے میں خیال تھا کہ وہ تابع فرمان رہیں گے لیکن انہوں نے دوسری دست صدارت میں نافرمانی شروع کر دی۔ احمدی نژاد کا تجوہ سپریم

# شہزادہ خالد کا دورہ امریکا

Simon Henderson

راست رابطوں کا آغاز کیا۔ ان مذاکرات میں حوثی باغیوں کے معاملے پر بھی بات چیت ہوتی ہو کر بین سے سعودی اہداف کو ایرانی اسلئے سے نشانہ بناتے ہیں۔

جب شہزادہ خالد کی امریکی اسٹیٹ فلپارٹمنٹ عینہا گون اور قومی سلامتی کاؤنسل کے حکام سے ملاقاتیں ہوں گی تو اطلاعات یہی ہیں کہ عراق، شام کی صورت حال، یمن جنگ اور اسرائیل قلعیں مسئلہ ہی ملاقات کا اجڑا ہو گا۔ اس بارے میں ابھی تک خبر نہیں کہ آیا وہ کامینہ ارکان کی سٹل کے لوگوں سے بھی ملاقات کریں گے یا نہیں، جیسا کہ اسٹیٹ سیکریٹری نحوی بلکہ۔ ”وال اسٹریٹ جول“ کے مطابق سعودی عرب کی طرف سے یہ کوششیں کی جا رہی ہیں کہ قانون سازوں سے بھی ان کی ملاقات ہو جائے، تاہم ان کے دورے کے دوران کا نگریں کے ارکان چھپیوں پر ہوں گے اور ویسے بھی بڑھتی ہوئی ملاقات کا نظر کا نکریں ارکان سعودیوں سے مقابل اعتماد ساتھی سمجھا جاتا ہے۔ شاید قوانین کی ایک شش کی وجہ سے دو ولی عہد نہیں بن سکتے تاہم محمد بن سلمان کے بیٹوں کی کم عمری کی وجہ سے انھیں ولی عہد کے مضبوط امیر وار کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔

شہزادہ خالد نے دو سال تک امریکا میں سفارت کارکی حیثیت سے خدمات انجام دیں، تاہم ان کے دورے سفارت کا اختتام استنبول میں سعودی سفارت خانے میں واشنگٹن پوسٹ کے کالم نگار جمال خاشقی کے قتل کی وجہ سے اچھانہ سوکا۔ جمال خاشقی نے ترکی چانے سے پہلے واشنگٹن میں شہزادہ خالد سے ملاقات کی تھی۔ اس سال مظہر عام پر آنے والی خیر رپورٹ کے مطابق محمد بن سلمان نے جمال خاشقی کو زندہ گرفتار کرنے یا مار دینے کے لیے آپ پیش کرنے کی منظوری دی تھی۔ ٹرمپ انتظامیہ کے برلنگ صدر بایدن محمد بن سلمان کے مجاہے شاہ سلمان سے رابط کرتے ہیں جو کہ بیان ہیں۔ جنگ محمد بن سلمان کا رابط و فاعل سیکریٹری Lloyd Austin سے ہے۔

اسی طرح امریکا کی جانب سے خلیجی ممالک سے میراں دفاعی نظام کی تعداد میں کمی لانے کی خبریں سامنے آئی تھیں جس کے بعد ہی شہزادہ خالد کے دورے کی خبریں سامنے آئی ہیں۔ میراں دفاعی نظام کی یہ اضافی تھیسیات ۲۰۱۹ء میں اپنی ڈرون حملے کے بعد کی گئی تھیں۔ ماہ اپریل میں اپریان اور سعودی عرب نے باہمی تعاون کو کم کرنے کے لیے براہ

اختلافات کی وجہ سے بغیر کسی نتیجے کے ختم ہو گئے۔ متحدہ عرب امارات چاہتا تھا کہ کوڈہ دبا کے بعد کی تبلی کی طلب میں اضافے میں اس کی پیدواری صلاحیتوں میں اضافہ کو باقاعدہ طور پر تسلیم کیا جائے اور اسی کے حساب سے اس کا کوئی مخفی کیا جائے۔ جس پر سعودی عرب نے اختلاف کیا۔

اسی دن سعودی عرب نے اعلان کیا کہ خلیجی ممالک سے درآمد ہونے والی ان اشیاء پر ترجیحی نیزف نافرمانی نہیں ہو گا جس میں اسرائیلی اشیاء شامل ہوں گی۔ یہ فیصلہ نظریاتی نہیں ہے بلکہ اس کا مقصد سعودی عرب کو خلیجی تجارتی حب بنا ہے۔ اس فیصلے سے سب زیادہ متاثر تھدہ عرب امارات ہو گا کیوں کہ سینی اسرائیل نے سب سے زیادہ سرمایہ کاری کر رکھی ہے۔ مخفی پر کہ شہزادہ خالد کا یہ امریکی دورہ سعودی عرب امریکا تعلقات کے لیے خاص اہمیت کا حامل ہو گا۔

(ترجمہ: عاصم محمد نوپرہ نون)

"Saudi visit to Washington will have a Thorny agenda". ("washingtoninstitute.org", Jul 6, 2021)

## لیکن: یاک افغان مرحد، میتھنست کی ضرورت و اہمیت

### سی پیک کی حفاظت

سی پیک کا مشرقی روٹ پہنچان گلگت سے داخل ہو کر کے پی کے میں اور وہاں سے ہلو چتیان پہنچتا ہے، جس کی منزل گواہ ہے۔ یہ سارا روٹ افغان مرحد سے اپنی کم فاصلے پر ہے جہاں افغانستان سے گھس پیچھے کرنے والے رہشت گروں کی رسمی آسان تھی۔ سی پیک پر کام کرنے والے چینی اور پاکستانی انجینئروں و کارکنوں پر متعدد حملے ہوئے۔ انہیں انوکھا کیا گیا اور شہید بھی۔ بارہ رکنڑوں کے بعد سی پیک کی تعمیر پر اطمینان کے ساتھ پیشرفت ہو سکے گی۔

بہر طور افغانستان کی طرف سے جن مسائل کا پاکستان کو سامنا ہے ان میں رہشت گروانہ حملے، مرحدی دراندازی، اسلامگانگ، نمیتیات کی تریکی، غیر قانونی آدمورفت یعنی معاملات شامل ہیں۔ یقیناً پاک افغان بارڈر کمکمل ہیں ہو جانے کے بعد ان مسائل میں کمی آئے گی، لیکن ان مسائل کے مکمل خاتمے کے لیے افغان حکومت اور اس کے شہریوں کی سوچ بدلنے کی ضرورت ہے کہ دنیا میں آزاد اور خود مختار ممالک ایک دوسرے کی مرحدوں، روایات اور سب سے بڑھ کر سفارتی و اخلاقی آداب کی پاسداری لیتی بنتے ہیں۔ یہ امریقی ہے کہ پاک افغان بارڈر میتھنست کے ثبات جنوبی ایشیا بالخصوص پاکستان اور افغانستان کے لیے بہت جلد سامنے آئیں گے اور خلیج میں اس و خشحالی کا دورہ رورہ ہو گا۔

(نوکری: "hilal.gov.pk")

افغانستان: پکھلسانی حقائق

نہیں کر لسانی، شافتی اور تہذیبی غلابی بھی ان کو حاصل ہے۔ یہ کیونکر؟ آئیے دیکھتے ہیں:

حارت عبد اللہ

پوں فارسی تربیت میں فیض سے زائد آبادی کے اولین زبان (First Language) ہے۔ اس پر مردیہ یا کہ اپنے بولدک سے فاریاب اور طورخ سے ہرات تک پھیلے، مختلف زبانیں بولنے والے شتوں، ازبک، ایمک، ترکمان، پامیری وغیرہ بھی (علاءہ تعالیٰ جکوں اور ہزارہ کے جن کی خود کی زبان فارسی ہی ہے) کا تم دیگر رابطے کے لیے فارسی ہی بولتے ہیں اور یوں فارسی کو ایک وسیع ترپانے پر قومی زبان کی حیثیت حاصل ہے۔ نیچتاً مجموعی طور پر افغانستان کا ثقافتی رنگ، بلکہ رنگ اور تہذیبی آہنگ فارسی کی طرف مائل ہے۔ طرزِ فکر پر، زاویہ نظر پر مجموعی سماجی اور ثقافتی outlook پر فارسی اڑاثت بہت گھرے ہیں اور بہت دور تک ہیں اور کیوں نہ ہوں، خود ہمارے یہاں دیکھ لیجئے کہ ”اردو“ کے اڑاث کس قدر وسیع اور ہمارے گیر ہیں جبکہ اردو حد سے حد تک فیض آبادی کی First Language ہے جبکہ وہاں تو فارسی بولنے والے ۵ فیض سے بیشتر کر ہیں، اور رابطے کی زبان کی حیثیت سے تربیت تمام ہی آبادی فارسی ہی کو استعمال کرتی ہے۔ دراصل ہر پڑی سماجی روایت اور وسیع تہذیبی اور ثقافتی پس منظراً رکھنے والی زبان کے سامنے چھوٹی زبانیں کچھ دب سی جاتی ہیں، اس چکچوند میں ان کا رنگ کچھ لگنا جاتا ہے، اب اگر یہاں اردو اس قدر اڑاث پر ہے تو فارسی کی سماجی روایت، سماجی ظرفیت اور اڑاثات آپ کے مچھے لیجئے یعنی:

گرچہ ہندی در عضو بست شکر است  
طرز گفتار دری شیرین تر است  
یہ دری فارسی کا قصہ بھی خوب ہے؛ افغانستان کی اکثریتی  
پشتوں آبادی فارسی کو دری کہتی ہی جبکہ اس کے اصل پولے  
والوں کا اصرار ہے کہ ہماری زبان کو ”فارسی“ ہی کہا، سناء، لکھا  
اور سڑھا جائے۔

لفظ ”وری“ کے تعلق سے دروازتیں معروف ہیں:  
 پہلی: چونکہ یہ زبان افغانستان کے پہاڑوں اور  
 ”درووں“ میں بولی جاتی ہے لہذا درووں میں بولی جانے والی  
 زبان ”وری“ کہلاتی ہے۔

دوسرا رائے زیادہ قرین قیاس ہے؛ جو نکلہ درباروں کی زبان ہمیشہ ہی فارسی رہی ہے اس لیے شور یہہ مزان پشتون اسے طنز اور حکارت سے ”درباری“ کہا کرتے تھے، درباری ہوتے ہوتے ”دری“ ہو گئی۔ خیر کنہ کو آپ پکھ بھی کہہ لیجئے فارسی کہیے، دری کہیے، یا ستا جکی، کہیے۔۔۔ زبان وہی ایک ہے جس میں فردوسی نے ”شاہنامہ“ کہا تھا، جس میں سعدی نے ”گلستان“ اور ”بوستان“ مہکائے تھے اور جس

☆ ۳۰ سے ۵ سو فیصد آبادی تا جک ہے، جن کی زبان فارسی ہے۔ تا جک شمالی افغانستان، کامل شہر اور مغرب میں ایران کی مرحد سے متصل ہرات میں آباد ہیں (ہرات کی اکثر آبادی ایرانی انسسل فارسی بانوں کی ہے)۔

☆ آٹھ سے دس فیصد ہزارہ شیعہ قوم کی زبان بھی فارسی ہے۔ جو وسط افغانستان کے صوبوں غور، غزنی اور پامیان کی اکثریت قومیت ہیں اور صوبہ بغلان میں بھی خاصی تعداد میں آباد ہیں۔

شمال ہی میں ازبکستان اور ترکمانستان کی سرحدے متصل صوبوں فاریاب، جوزجان، بادغیش اور سرپل میں ازکوں اور ترکمانوں کی متحدة پر آبادی ہے۔ ان علاقوں میں آباد ازبک مجموعی طور پر افغانستان کی کل آبادی کا لگ بھگ قیدہ ہیں تجھکے ترکمانوں کا اوسط نکالیے تو قریب سافی صدر رئے گا۔

☆ بلوج قبکل اور خانہ بدوش ایمک بالتر تیپ کل ملکی آبادی کا ۲۴ فیصد اور ۷۶ فیصد ہیں۔

☆ دیگر اقوام مجموعی طور پر تقریب ۲ فیصد تو ضرورتی ہوں گی، ان میں دشیت عرب کو چھوڑ کر افغانستان کے پہاڑوں میں آباد ہونے والے عرب بھی ہیں، جو مدت ہوئی قبلے تازی اتنا کر روانے فارس اوڑھ چکے ہیں۔ مزید یہ کہ ۲ فیصد کے اسی طبقے میں پشی، پاکیری، نورستانی، اسماعیلی اور گوجرانہ شامل ہیں۔

☆ افغان معاشرے کا ایک دلچسپ طبقہ شہری پشتون (Urbanized Pashtun) ہیں۔ جن کا اوسط افغانستان

کی ۵۸ سے فیصلہ پتوں آبادی میں ۵ فیصد ہو گا۔ جو زیادہ تر کامل اور کچھ دیگر شہروں میں آباد ہیں۔ یہ وہ خاندان ہیں جو برسوں پہلے تعلیم، روزگار یا ہمارے معیار زندگی کی تلاش میں گاہیں، دیہات کو چھوڑ کر شہروں میں آبے تھے۔ یہ لوگ نسلی طور پر ضرور پتوں جپاں ہی سے تعلق رکھتے ہیں مگر اسلامی اور ثقافتی اعتبار سے قریب تین نسلوں سے فارسی زبان و ثقافت اختیار کر چکے ہیں اور اب اتنی اس نئی شاخت پر ہی فخر کرتے ہیں۔

یہ زبان کا مسئلہ بھی عجیب بیچیدہ مسئلہ ہے۔ فلسفہ سائیات میں دکھنے تو زبان کی ایجاد انسانی فکر کے رزوں کی علامت ہے، باقی چھوڑیے خود حضرت جوش بیٹھ آبادی کا قول ہے کہ انسانی ذہن میں پیدا ہونے والے نوے قیصہ خیالات

مناسب الفاظ کا قابل نہ ملنے کے سبب ذہن کے نہایا خانوں ہی میں دم توڑ دیتے ہیں۔ اور یوں زبان کی ایجاد نے انسانی ملکر کو زوال آمادہ کیا ہے۔ خیر فلقے کے ایوانوں میں خوب سانپات کی بھیشیں ہو اکریں ہمیں اس سے کیا مطلب؟

اہم تو اتنا جانتے ہیں کہ ”ریبان“ اور ”سماںیات“ نے یوں بھی انسانی سماج میں عجیب نفرتیں ہلتے اور بھگڑے پیدا کیے ہیں اور بہت کچھ مسائل کو ختم دیا ہے جو دنست سے عمل ہو کر ہی ---  
خوبیں دے رے ---

افغانستان میں سانسیت کا مسئلہ بھی وہاں کے جغرافیے کی طرح دلچسپ و سبیق، الجھا، سلخا، سنگاخ اور پیچیدہ ہے۔ اس پر مزید یہ کہ ماضی کی تلخ نواسیاں است کے جوar بھائے نے افغان معاشرے میں کچھ ایسا زہر گھول دیا ہے کہ افغانستان کی مختلف قوموں کے درمیان یقینت کی خلائق و سعیت تر ہوئی جاتی ہے۔ یوں تو افغانستان ہمارے یہاں ہر دور ہی میں دلچسپیوں کا مرکز رہا ہے۔۔۔ خصوصیت کے ساتھ ہمارے ہر دن بڑو سرخ نظریاتی حلقوں کی دلچسپی تو باقیوں سے سوار ہی ہے، مگر ہمارے یہاں عموماً نظریاتی حلقوں کا ایک الیہ یہ بھی ہے کہ سانسی اور قومی حقائق کو نظریات کی تندرو میں اکثر نظر انداز کر دیتے ہیں۔۔۔ قومی تنوع اور سانسیاتی حقائق کو نظر انداز کرنے کی اسی روشن کے تلخ اور علگین متابع بھم مشرق پاکستان اور کراچی میں بھگت پکھے ہیں۔ خیر ان باتوں سے قلعے نظر افغانستان کو پہنچاں:

افغانستان ایک کثیر القومی اور کثیر اللسانی ملک ہے،  
مشرق میں پشتو، جنوب مشرق میں بلوچ، وسط میں ہزارہ،  
 شمال اور مغرب میں تاجک اور پھر کئی علاقوں میں ازبک،  
ایمک، عرب، هر کمان اور دیگر اقوام کی محکوم آبادیاں ہیں۔

☆ پیتوں ۲۵ سے ۲۸ فیصد تاب کے ساتھ افغانستان کی سب سے بڑی نسلی اکائی ہیں، مگر اس کا ہرگز یہ مطلب

غیر پشتوان ملک کے نام ”افغانستان“ ہی سے خاصے تھے ہیں، اندر ہی اندر علیحدگی کی دبی، دبی صد ایجھی بھی کبھی کبھی بکھارنا تائی دے جاتی ہے۔۔۔ پس اگر ان امور کا موثر انداز میں صفتیہ نہ کیا گیا تو افغانستان کا ایک ملک کے طور پر باقی رہنا بہت مشکل ہو جائے گا۔ حتیٰ طور پر ملک افغانستان سماں خیال پر دور یاستوں میں تقسیم ہو جائے گا۔ ایسے میں افغانستان کے داخلی کشت و خون اور قیامت خیز تباہی اور بر بادی کے علاوہ اس کے علیین ترتیب پاکستان اور ازبکستان کو بھلتنا ہوں گے۔ ہر دو ملکوں میں علیحدگی پسند قوم پرست تحریکیں پوری شدت سے پھنس پھیلائے پھکارنے لگیں گی۔۔۔ شدت پسندی ایک بار پھر غیریت بن کر شہروں اور بیتیوں میں مندلائے گی، تباہی اور بر بادی کے تختینے۔۔۔

میں اور اندیشہ ہائے دور دراز مخصر یہ کہ پاکستان کے صوبہ خیبر، بختونخوا اور بلوچستان میں پشتوان قوم پرستی اور ازبکستان کے شہروں سمرقند، سخار اور ترمذ میں تا جک (فارسی) قوم پرستی کی تحریکیں پوری شدت سے اٹھ کھڑی ہوں گی اور اس تمام صورتحال میں عالی طاقتوں کو کھل کھیلنے اور خطے میں اپنے مقاصد کی جگہیں کا پورا موقع میسر رہے گا رہا ”خلیلی“ کا یہ قطعہ کہ:

سامسیت واحد ایم باء، باہم یہ کسمان  
انبلاز و رنج در در طول زمان  
هر کس کہ اشله کرده، اذگشتنی بود  
این اربک و آن هزارہ، این است الفعلان  
تو یہ موجودہ صورتحال میں محض ایک خوشنما شاعرانہ تخلی  
کے سوا کچھ نہیں مگر ایسا بہت ہوا ہے کہ شاعر کے تخلیات  
حقیقت ہو گئے کاش۔۔۔!!!!!!

﴿ ﴿ ﴿ ﴿

”معارف فیچر“ حاصل کرنے کے خواہشمند خواتین و حضرات اور اداروں سے گزارش ہے کہ اپنے نام اور پتے کے ساتھ (رضا کاران طور پر) = ۵۰۰ روپے کا ڈاک ٹکٹ یا کراچی کے کسی بینک کا اتنی بیالت کا چیک ”اسلامک رسیری“ کیڈیمی کراچی“ کے نام ارسال کریں۔ آپ کا بینک بیرون کراچی ہو تو بھر بینک ڈرافٹ یا منی آرڈر بھیجیں۔ زیر خیریاری موصول ہو جانے کے بعد آپ کے دیے ہوئے پتے پر ”معارف فیچر“ کی ترسیل شروع ہو جائے گی۔ ان شاء اللہ

اور یوں افغانستان کی ”اسلامیت“ اور جہادیت“ کو ایک قلمی اور نظریاتی جہت اوپر ہوس علی اساس بھی میسر آگئی۔ پس اس کے بعد کیفیت یہ ہے کہ افغانستان میں یکوارڈ میں بھی ہو گا تو اسلام ہی کے لیادے میں آئے گا، کون نہیں جانتا کہ جزل عبدالرشید و ستم سیاست میں اولادیت کے قائل ہیں ذائق طور پر بھی مذہب سے کچھ خاص لگاؤ نہیں رکھتے مگر ان کی سیاسی جماعت کا نام ”جنپش ملی اسلامی“ ہے کیونکہ افغانستان میں اسی کی کھپت ہے، یہی چلتا اور بھی بتاتا ہے۔ یعنیہ بھی حال طالبان کا ہے۔ اگر وہ رافت نظر سے طالبان کی تحریک کا مطالعہ کیا جائے، لمحہ ہر کے لیے روایتی جذباتیت کو ایک طرف رکھ کر کچھ تجویز یہ، تحلیل اور تحقیق کی روحت گوارا کر لی جائے، کچھ ماضی کے واقعات، کچھ مستقبل کی توقعات پر نگاہ رکھی جائے تو یہ بات واضح، روشن، ہویدا اور عیال ہے کہ طالبان کی تحریک درحقیقت پشتوں قوم پرستی ہی کی ایک تحریک ہے، جو افغانستان کے معروضی حالات کے سبب اسلام کا سوانگ رہنے اور ڈھونگ رہانے پر مجبور ہے۔ ہماری یہاں کے سرخ پوش پشتوں قوم پرستوں اور سیاہ پوش طالبان میں فرقِ محض ٹوپی، پگوی کی رنگت کا ہے۔ یہ سرخ پوش ہیں اور وہ سیاہ پوش باقی ملا عمر، ملا اختر منصور اور طالبان کو اسلام اور غلافت سے وہی نسبت اور انتہائی تعلق ہے جتنا تعلق ولی خان، اچھر کی اور دیگر پشتوں قوم پرستوں کا ہے۔

مخصر یہ کہ افغانستان کے قصیے کو وہاں کے سماں اور قومی حقائق اور بھی تجھیں کر دیتے ہیں۔۔۔ پچھلے کچھ عرصے میں یہ چھپی گئی یوں بھی ایک دلچسپ انداز میں بڑھ گئی ہے کہ وسط ایشیا میں سو ہریت یونین کے مفہومات تا جھاتان اور ازبکستان سے بڑی تعداد میں لوگ مهاجر ہو کر افغانستان آئے تھے چونکہ ان لوگوں کی اکثریت فارسی بولنے والے تاکدوں پر مشتمل تھی اس لیے یہ لوگ افغان معاشرے ہی کا حصہ ہو گئے اور اب فرق ممکن نہیں (کچھ ایسا ہی ہمارے یہاں افغان مهاجرین کا قصہ ہے) اور یوں فارسی بولنے والوں کا تابع یوں بھی بڑھ گیا جبکہ دوسری طرف خاص محتقول تعداد میں پشتوں نے پاکستان اور دیگر ممالک میں بھرست کی۔ افغانستان کے یوں بھی نہایت دلچسپ انداز میں demographics fluctuate کر رہے ہیں، پھر امریکی تسلط کے گزشتہ میں برسوں میں فارسی بانوں کا اثر، سو شرخ اور نفوذ فوج، میدیا سمیت ہر شبیہ ہی میں بہت کچھ بڑھ گیا ہے، سماں اور قومی اختلافات، تھیاں اور نہ مواریاں پہلے سے کئی زیادہ ہیں

میں شیراز کا رد خرابات غزل سراہ ہوا تھا۔ افغانستان کا سماں توع بغض اوقات وہاں کی سیاست میں تاریخ بن کر جھک جاتا ہے۔ قدیم زمانے میں فارسی اور ترکی انسل خانوادے اس خطے پر حکومت کرتے رہے ہیں مگر احمد شاہ ابد الہی کے بعد بہت کم ہی ایسا ہوا ہے کہ زمام اقتدار کسی غیر پشتوں کی گرفت میں رہی ہو۔ حبیب اللہ کلکانی اور ہیر کارل کے خضراء وار سے قیمع نظر سو ہریت افواج کے انخلا کے بعد استاد بہان الدین ربانی کی صدارت کا ہنگامہ خیز دور ایک استثناء تھا، لوگ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ ”حزب و جمیعت“ کی باہمی آؤیش، احمد شاہ مسعود اور گلبین حکمیتار کا شخصی تنازع اور نظریاتی ہم آہنگی کے باوجود استاد ربانی اور حکمیتار کی حاصلت کے پیچھے بھی اصل سوال سماں ہی تھے۔

شمال کے مجاہدین نے کابل کے مضادات میں آباد پشتوں آبادی کا بے دریخ قتل عام کیا تھا یہاں تک کہ ایک دور میں کابل کی پشتوں آبادی سے شہر خالی بھی کرایا گیا تھا، اس پر حزب اسلامی کی جارحانہ مدافعت نے مسئلے کی تیگھریتا کو اور بڑھادیا۔ یہ سماں تاریخ اور قومی چیقلاش اپنی انہا کو اس وقت پہنچ کر جب طالبان نے اپنے دور اقتدار میں ہرات، بلخ (مزار شریف)، بامیان، کابل اور دیگر علاقوں میں فارسی آبادی پر علم و جبرا اور جو روستم کے وہ پہاڑ توڑے کے آج بھی ان دھیانے ڈالم کے تصور سے ایک تمدن انسان کے روئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

خیر ہماری تو ہبہ دست سے بھی رائے ہے کہ طالبان کی تحریک درحقیقت پشتوں قوم پرستی کی ایک تحریک ہے، آپ سہولت کے لیے اسے پشتوں قوم پرستی کا افغان ورژن کہہ لیجیے۔ جن لوگوں کو افغانستان کے معروضی حالات سے کچھ واقعیت ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ افغانستان کے معاشرے میں مذہب کی جزاں اس قدر گھری ہیں کہ وہاں کی سیاسی منڈی میں ہر شے مذہبیت اور اسلام ہی کے لفافے میں فردخت ہو سکتی ہے ورنہ بکنے کی کوئی صورت نہیں، لہذا ہر کوئی خوکو مقبول عام بنانے کے لیے مذہب کا سوانگ رہانے پر مجھر ہے جا ہے اندرون خانہ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ قدیم زمانے ہی سے ہا عموم اور ایگلو۔ افغان جنگوں کے بعد سے بالخصوص اسلام اور ”جہاد“ گویا افغانستان میں پاپل کلچر (popular culture) ہیں۔ سو ہریت یونین کے خلاف ہونے والی جدوجہد میں لکھی آبادی کے ایک بڑے حصے نے عمل اشتراکت کی تھی اور جہاد کی قیادت بالعموم احیائی تحریکوں کے ہاتھ میں تھی

# پاک افغان سرحد، ملنجمنٹ کی ضرورت و اہمیت

توہین اختر

اس کے علاوہ بارڈ رکٹریول کے جو فائدہ ہیں ان پر تفصیل سے نظر ڈالتے ہیں۔

اُن، امن، حفاظت، تحریک، سلامتی، دہشت گردی کا خاتمه

اس لحاظ سے بارڈ رکٹریول دونوں ملکوں کے لیے انتہائی

مفید ہے اور پاکستان نے اپنی حیب سے کم و بیش ۵۰ کروڑ ار

خراج کر کے افغانستان کے بھی فائدے والا کام کیا ہے۔

افغانستان کی حکومت اگر عالمی قواعد و صواب کو مانتی ہے تو اسے

بارڈ رکٹریول پر اعتراض نہیں بلکہ اسے منون ہونا چاہیے۔

اب وہ (بقول اس کے) پاکستان سے گھستے والے لوگوں سے

کمل طور پر محفوظ ہو گیا ہے۔ اب اس طرف جو لوگ ہیں وہ

اس کے اپنے ہیں لہذا ان سے خود نہیں۔ پاکستان میں اس

انقاص کے خوٹکوار اڑات ۲۰۱۸ء کے بعد سے مسلسل جسمیں

کیے جا رہے ہیں۔ ۲۰۱۲ء میں یہاں ۳۵۲ حصے ہوئے جو

۲۰۱۸ء میں کم ہو گئے۔ ۲۰۲۰ء میں ان کی تعداد میں

مزید کمی ہوئی اور ۲۰۲۱ء میں جنمیں ہوئے۔ ۵۵۴

۲۰۲۲ء کوڑوں میں بارڈ رکٹریول کام کرنے والے ایسی کے

جو انوں پر افغان سائیڈ سے حملہ کیا گیا جس میں ۲ جوان شہید

ہو گئے اس سے پہلے بھی افغان سائیڈ سے ہر سال چھوٹے

پیمانے کے متعدد اور بڑے پیمانے کے تین چار حصے ہوتے

رہے ہیں۔ ہمارے کئی افسروں، جوانوں اور رسول کار کوئی کو

شہید کیا گیا۔ یقیناً ہماری مسلح افواج یہت جلد ان باقیات کا

بھی قلع قلع کر دیں گی اور پاکستان غربی سائیڈ سے کمل طور پر

محفوظ ہو جائے گا۔

غیر قانونی آمد

پاکستان کے بارڈ رکٹریول کی بدولت افغانستان سے

غیر قانونی آمد قائم ہو جائے گی۔ اور ہم نے ذکر کیا کہ آنے

جانے کے ۲۳۵ راستے تھے۔ صرف ایک رستہ طور خم سے

سالانہ ۱۲ سوڑک آتے جاتے ہیں۔ افراد کی تعداد اپنار

سے زائد ہے۔ اندراہ لگایا جا سکتا ہے کہ ۲۳۵ راستوں سے

آنے والوں کی تعداد کتنی ہو گی۔ افغانستان سے آنے والے

سارے عام لوگ نہیں ہوتے۔ ان میں جرام پیش اور ملکوں کے

افراد کی بھی بڑی تعداد شامل ہوتی ہے۔ اب ان کا مرٹر ک

گیا ہے۔ پاکستان نے ۲۰۱۸ء تک غیر قانونی واخلي کی

کوشش کرتے ہوئے ۱۹ افغانیوں کو کپڑکڑی پورث کیا۔

طور خم اور دیگر واخلي کے مقامات پر اب کمل بارڈ رکٹریول

ہو رہا ہے۔ ہائی میزبر سٹم جرزل مشرف کے دور میں ہی

شروع کر دیا گیا تھا۔ افغانستان سے پاکستان والے ملاب و بینا

مشکل ترین بارڈ رکٹریول محفوظ بنانا بلاشبہ دنیا میں اپنی نوعیت کا پہلا

اور بڑا کارناص ہے۔ یہ کارناص ایک طرف پاکستان کوئی اختصار

سے فائدہ پہنچا رہا ہے تو دوسری طرف اس نے پاکستان کا

افغانستان سے متعلق موقف درست ثابت کر کے تمام تر

پروپیگنڈا اغاثاتا ہت کر دیا ہے۔ افغان علی پر ہونے والی حالیہ

پیشرفت کو یہی اس بارڈ کی تعمیر کا تجھیق ریڈی جا سکتا ہے۔

یاد رہے کہ صوبہ خیبر پختونخوا میں پاک افغان سرحد کی کل

لمبائی ۱۳۲۹ کلومیٹر ہے۔ جس میں سے ۲۲۷ کلومیٹر سرحد

پر بارڈ کا کام کمل ہو گیا ہے جبکہ بارڈ کا کام کام ۲۳۸ کلومیٹر ہے۔

جبکہ صوبہ بلوچستان میں کل بارڈ رکٹریول ۱۳۵ کلومیٹر ہے، جس میں

۲۰۰ کلومیٹر پر بارڈ کا نے کام کمل ہو چکا ہے۔ اسی طرح

پاک ایران کل ۱۰۰ کلومیٹر بارڈ رکٹریول میں سے ۹۰ کلومیٹر پر بارڈ

کا نے کام کمل ہو گیا ہے۔ جس سے ۵۸۰ کلومیٹر پر بارڈ

کا نے کام کمل ہو گیا ہے۔

پاکستان نے بارڈ رکٹریول کے مخصوص پریار کیا گیا ہے اور اب

کوئی بارڈ کے دوں طرف سے شدت پرندوں کی مسلسل

آمد و رفت کو روکنے کے لیے مشترک بارڈ لگانے کا فیصلہ کیا گیا۔

یاد رہے کہ پاک افغان سرحد پر ۲۳۵ را یہی مقامات

ہیں جہاں سے اکثر اوقات آمد و رفت ہو رہی تھی، پاکستان

نے ان سیاست بے شماریے مکانی مقامات پر خانقی چوکیاں قائم

کر دی ہیں جہاں سے آمد و رفت اب پہلے کی طرح نہیں بلکہ

باقاعدہ دستاویزات کے ساتھ با خاطب طور پر بارڈ رکٹریول

کے ساتھ ہو گی۔ بارڈ اور خدراق کے ساتھ کیرے اور حکمت کرتی اشیا کو چیک کرنے کے ویکٹر نصب ہیں۔ مخالفوں کی

پروانگ کے لیے پورے بارڈ پر راستے بنادیے گئے ہیں۔

پاکستان نے ہمسائی کا احترام اور انسانیت کی مذہبی بھی

ترک نہیں کی۔ افغان طلبہ جو پاکستانی اداروں میں زیر تعلیم ہیں ان کو خصوصی کارڈ دیے گئے ہیں جبکہ ایرانی خلیلی مزیدوں کو

بھی واخلي کی اجازت ہو گی۔

حالیہ ہفتون میں امریکی خصوصی نمائندہ رے لیل

زاد، افغان چیف ایگزیکٹو عبد اللہ عبداللہ، افغان پارلیمنٹی

وقد، ملادر اور کے ساتھ طالبان وفد کے اسلام آباد اور

راولپنڈی کے دورے پر کستان کی افغان پالیسی پر اعتماد کے

عکاس ہیں اور بارڈ رکٹریول اس پالیسی کا بہت اہم حصہ ہے۔

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ افغانستان میں آٹا، جنی، گھی اور

ادیواتی سیست روڈر میٹر اسٹیبلیشن کی اکثر اشیا پاکستان سے

فرائم ہوتی ہیں۔ پاکستان یقیناً یا اشیا فرائم کرتا ہے گا، مگر

ایک اسکنگن یا غیر قانونی طریقے سے نہیں بلکہ قانونی طور

پر ایک نظام کے تحت فرائم ہوں گی۔

کیم و ۱۶ جولائی ۲۰۲۱ء

کاشت عام ہو گئی تھی۔ پوسٹ سے بنائی گئی مشیات کی سب سے بڑی فراہمی افغانستان سے ہوتی ہے، جو پوری دنیا میں آنکھیں ہوتی ہے۔ اس رہداری میں پاکستان کو بھی استعمال کیا جا رہا تھا۔ ہمارے اوارہ اختنی تارکوکلس فورس نے کئی آپریشن کیے جن میں افغانستان سے مشیات کی اسکانگ کی کوشش تاکام بنا دی گئی۔ پاکستان کے سرحدی کنٹرول کی بدولت یہ وحدہ ابھی منداشت چاہے گا۔

باقی صفحہ نمبر کے

اور سفری دستاویزات کے بغیر ممکن نہیں رہا اور جو بھی پاکستان آئے گا وہ مکمل بھی درپیش رہے ہے۔ سرحد محفوظ بنانے سے یہ دونوں مسالک بھی درپیش رہے ہے۔ اس وقت بھی پاکستان میں آنکھیں ہوتی ہیں میں مدد ملے گی۔ اس وقت بھی پاکستان میں آنکھیں، کوکنگ آنکھ وغیرہ مہنگا ہونے کی شکایت ہے۔ مؤثر سرحدی کنٹرول کی بدولت آئندہ نصراف یہ اشیاء ضروریہ و انہی موجودہ ہوں گی بلکہ ان کی قیتوں میں استحکام بھی آئے گا۔

اسکانگ کا خاتمہ، معیشت میں بہتری یہ پاؤ رائٹ اسکلپرول کی بدولت آئندہ نصراف یہ اشیاء ضروریہ پاکستان سے اشیاء خود رفتی افغانستان اسکلپر کے بھاری منافع کمایا جاتا رہا ہے۔ اس طرح جہاں ایک طرف پاکستان کو لیکس کی مد میں اربوں روپے کا نقصان ہو رہا تھا وہاں

افغانستان میں طالبان کے زوال کے بعد پوسٹ کی

بجگہ بندی اور دو طرفہ مفاہمت نہیں ہو سکی۔ اسرائیل نے مسلمانوں کے مقدس مینے میں جارحانہ القدام کر کے مقوضہ شریق یوں ٹائم اور ان تمام فلسطینیوں کو جو مر جنم تحریک کے حامی ہیں، ان کے خدوں اور رکب کی یادوں کو تازہ کر دیا ہے۔

گزشتہ بھت رونما ہونے والے واقعے نے یہ واضح کر دیا 19۲۸ء جب سے اسرائیل ایک وجود میں آیا ہے اس وقت سے اسرائیل بہت پہلے ہی اپنی قانونی اور اخلاقی ساکھے محدود کر فلسطینیوں کا جذبہ، مراجحت ابھی زندہ ہے۔ ہر طرح کی اسرائیل نے یکروں فلسطینی دیہاتوں کو تباہ کر کے اس پر قبضہ ہو چکا ہے، اب وہ اپنی سیاسی ساکھے بھی ہاتھ دھونے والا ہے۔ پاندیوں اور ظلم و ستم کے باوجود ان کے حوصلے بلند ہیں۔

کرایا ہے، یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ اسرائیل کی خواہش قلسطین اور اسرائیل کی حالیہ جھرپ کے نتیجے میں بہت اس حققت کو اب تسلیم کر لیا چاہیے کہ اسرائیل ایک ہے کہ فلسطینیوں کو یہاں سے مستقل طور پر جلاوطن کر دے اور سارے سوالات بیدا ہوئے ہیں۔ اسرائیلی وحشیانہ بھاری غاصب اور ناجائز ریاست ہے۔ اسرائیل اور اس کے عوام ان کا یہاں داخلہ مسدود کر دے۔

سے یکروں شہری جاں بحق ہو چکے، تباہ شدہ عمارتوں سے اٹھنے پُران طریقے سے تصفیہ نہیں چاہتے، بلکہ پر تشدد ذراائع اور اسرائیل ایک جمہوری اور آئینی ملک ہونے کا دعویٰ کرتا ہے لیکن اس کا یہ دعویٰ خود فرنی ہے اور دھوکے کے سوا کچھ نہیں۔

اسراہیل فوج مسجد اقصیٰ کے نمازیوں کو نمازیوں کو نمازیوں کو تباہ کر کے یہاں سے اپنے مذہم مقاصد کو حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ ہے لیکن اس جاریت کا بھرپور خلاف ہے۔ ان کا ذیالت ہے کہ اسرائیل فلسطینیوں کے حقوق غصب کر کے یہودی بالادوی کو انتہا پسندوں کو تحفظ فراہم کرتی ہے۔ مغربی طاقتیں کمال حجاج کی کارروائیوں سے اسرائیل کا امن تباہ ہو رہا ہے، لہذا اسراہیل ایک جمہوری کویاہ کر دیا ہے۔ اس جاریت کا اتوام تحدہ اور مغربی کا دریں یہیں یہیں اس جاریت کا جواب دینا اسرائیل کے لیے ضروری ہو جاتا تھا۔ اسراہیل میں عالمی برادری سے اپنے ہم ائمہ کو چھپانے میں کامیاب وہ دیدہ دلیری سے اسرائیل کے مقاصد کا ہی دفاع کرتے ہے۔ تاکہ حجاج کو ایسا کرنے سے روکا جاسکے۔

یہیں۔ موجودہ تازع شیخ جراح میں رسول سے آباد چھ فلسطینی عجیب منطق ہے کہ اسرائیل جدید ڈرون طیارے تو محض غصہ کرو کرنا ممکن نہیں۔

خاندانوں کی بھرپوری بے خلی سے شروع ہوا تھا۔ فلسطینیوں کی دفاع کے لیے ہیں، جب کہ حجاج کے دیسی ساختہ راکٹ اسرائیل کی عالیہ جاریت کی دفاع کے لیے ہیں، جب کہ فلسطینیوں کے اپنی زمینوں سے بے خلی اور ان پر اسرائیلی جاریت کوئی نہیں دیتے گردی اور جاریت کوئی نہیں۔ ہبھت گردی اور جاریت کے لیے قرار پائے۔ جب کہ حقیقت یا یہیں کو مزید تقویت ملی ہے۔ ان راکٹوں سے شاہزادی کسی انسان کو نقصان پہنچا ہے۔ اسرائیل کی بھرپور خلافت کے باوجود ۲۰۱۵ء سے قلسطین میں حس بھکر انوں پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ کیا یہ طاقتیں یہاں کے اصل اسرائیلی مظالم کی تحقیقات کا کہا ہے۔ اس پر نہیں یا ہو نے باشندوں اور جبری طور پر مسلط کیے گئے غیر مقامی افراد کے ۹۵ فیصد رہائشی آبادی کا نقصان ہوتا ہے۔ غزہ کے معموم لوگوں تھغفات کا تکھار کیا ہے اور اس عمل کو نسلی تھسب کہا ہے۔

دریمان کی بڑے تازع کے منتظر ہیں۔ کیا ہم ایک صدی پہلے ۲۰۰۰ء سے جاری ہے۔ اسرائیلی جاریت کی اتوام تحدہ کی پورپورت کے مطابق اسرائیل کی ریاست پا لیسی فلسطینیوں کی جدوجہد اور مراجحت کو اس کے منطقی انجام تک وجہ سے غزہ کے رہائشی انتہائی تکلیف وہ صورت حال سے دوچار اس طرح ترتیب دی جاتی ہے کہ قلسطین کے عوام کا استھان کیا پہنچتا کیکر ہے ہیں؟ صحیوی مضمونہ سازوں نے صدیوں سے ۵۰ فیصد سے زیادہ افراد بے روزگار کر دیں۔ اسرائیل کی اہم

آباد فلسطینیوں کو ان کی زمینوں سے محروم کر کے اجنبی لوگوں کو حالیہ جھرپ میں اسرائیل نے پوری کوشش کی کہ عالمی انسانی حقوق کی تطبیم اور یہ مون رائش و اچ کے مطابق اسرائیل یہاں لا ایسا، فلسطینیوں کو ان کے حقوق سے محروم کیا اور اپنے برادری کو یہ بادر کر واکٹے کہ غزہ پر عملہ حجاج کے اقدام کی وجہ کی ہمیشہ سے یہ کوشش رہی ہے کہ فلسطینیوں کے حقوق کو سلب مقاصد کے حصول کے لیے، جبرا اور ظلم و ستم کا ہر جراحت استعمال کیا۔ سے اسے مجبوراً کرنا پڑا۔ اسرائیل کے ریاستی سٹبل پر جارحانہ کر کے اپنی نسلی منافرست پر ہنری برتری کو ہر صورت قائم رکھے۔

آنے والا وقت ہی موجودہ بے شکنی اور اھاطراب کوئم کرے رویے کی وجہ سے حجاج کی جانب سے اس اور مصالحت کی ہر گا۔ لیکن اس وقت ہم مزید خون خرایہ، اموات، مایوسی، نا انسانی کوشش ناکام ہو جاتی ہے۔ کہی وجہ ہے کہ ایس سے مستغل

## اسراہیل اخلاقی شکست سے دو چار

Richard Falk

خا۔ نمک سے بھوک لئنے کا امکان ہوتا ہو گا کیونکہ یہ جوڑی مقدار میں ضروری تو ہے، لیکن تاریخی اعتبار سے آسانی سے دستیاب نہیں تھا۔

لیکن ایک عنصر جو شاید ارتقاء سے کم اہم تو نہیں، وہ بیوپا اور ایک عمل ہے جو ان اثر اپر و سسٹہ کھانوں کے پیچھے ہے۔ ڈاکٹر ٹیکٹ ہاتھی ہیں کہ یہ مصنوعات اکثر ہمارے ہاتھ پوانتش (اطف اخنانے والی حس) کے لیے تیار کی گئی ہیں۔ نمک، چربی اور یا چینی کی کامل سطح اور سیری کے لیے مخصوص حس کے پوائنٹ کے ذرا قریب وہ نقطہ ہے جہاں آپ کے حواس غلوب ہو جاتے ہیں اور آپ مزید کچھ اور نہیں چاہتے۔ دوسرے لفظوں میں اثر اپر و سسٹہ کھانے ہمارے دماغوں سے الجھ رہے ہیں۔

وہ دماغ کو کیا کرتے ہیں؟

ڈاکٹر ٹولکین اعتراف کرتے ہیں کہ اثر اپر و سسٹہ غذا کھانا ایک ایسی چیز ہے جس کے متعلق میرا دماغ صرف مجھے بتاتا ہے، چاہے مجھے اس کی ضرورت نہ بھی ہو۔ درحقیقت ان کی دماغی سرگرمی کے اسکیز سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انعام کے لیے ذمہ دار دماغ کے حصے ان حصوں سے مل گئے ہیں جو بار بار کام کرنے والے خود کاررویے کو کثرا کھنوں کرتے ہیں۔ جیسا دل طور پر ان کے دماغ کو اثر اپر و سسٹہ غذا کی لنت پڑا گئی تھی۔

ڈاکٹر ٹولکین یہ بھی اعتراف کرتے ہیں کہ ایک واقعی حریق اکھانے کا ایک ضمی اڑی ہوتا ہے کہ اسے کھانا بند کرنا واقعی مشکل ہو جاتا ہے۔

ڈاکٹر ٹیکٹ بھی یہ کہتی ہیں کہ یوپی ایف ایک مکنیزم بیبا کر دیتے ہیں جسے امید پرستی کہا جاتا ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ جنک فوڈ کے لیے ثابت جذبات ہمیں فوری طور پر متاثر کرتے ہیں۔ لیکن مغلی اڑات میں اضافہ ہونے میں وقت لگتا ہے۔ ہمارے لیے یہ یقین کرنا آسان ہے کہ ہمارے پاس بعد میں (اپنی کھانے کی) عادات کو تبدیل کرنے کا وقت ہو گا، میاں کا نتیجہ ہر حال ناگزیر تھا۔

آسان زبان میں: اب آپ اسے پسند کریں گے، لیکن بعد میں آپ کو پچھتا ہو گا۔ ڈاکٹر ٹیکٹ کہتی ہیں کہ گویا جیسے انہیں یہ میں اس کی لنت کھانے کے لیے ابھی اور مدد کی ضرورت ہو، ان کھانوں کی جارحانہ مارکیٹ انہیں ہمارے ذہن میں اور بھی گہری طرح چھاپ دیتی ہے۔

## ‘الٹر اپر و سسٹہ’ کھانوں کی پسند یہ گی اور اس کے اثرات

احساں ہے کہ یہ سب کچھ کھانوں کی وجہ سے ہے اور یہ پھر بکھی پیچھے ہر کرنہیں دیکھا۔ ہم مستقل کھانے پیٹے کی اشیا کو توڑنے اور پھر جوڑنے کے نئے طریقے ایجاد کرتے ساتھ کی گئی ایک اور تحقیق میں اس کی کچھ سائنسی دجوہات تھائی گئی ہیں۔

ہم نئے والکتوں اور تجریبات کے لیے خواراک کے ساتھ

جو کچھ کرتے ہیں وہ ناقابل یقین حد تک ایک تخلیقی عمل ہے۔

لیکن وہ کھانے جو ہم کھاتے ہیں، جو کچھ ہمارے ساتھ کرتے

ہیں وہ اس سے بھی زیادہ دلچسپ ہے، خاص طور پر جب بات

الٹر اپر و سسٹہ کھانوں کی ہو۔

انسان نے آگ اور مصالحے دریافت کرنے کے بعد

پھر بکھی پیچھے ہر کرنہیں دیکھا۔ ہم مستقل کھانے پیٹے کی اشیا

کھانا جھوڑنہیں دیا۔ ڈاکٹر ٹولکین کے تجربے کے ساتھ

ساتھ کی گئی ایک اور تحقیق میں اس کی کچھ سائنسی دجوہات

تھائی گئی ہیں۔

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے مقابلے میں جو

کم الٹر اپر و سسٹہ غذا کھاتے ہیں، اثر اپر و سسٹہ غذا کھانے

والے افراد نے روزانہ ۵۰۰۰ سے زیادہ کیلو یارہ کھایا اور وزن بڑھا

لیا۔ لیکن وزن میں اضافہ زیادہ اثر اپر و سسٹہ والی غذا سے

اضافہ ہوا اور اس ہار مون میں کمی ہوئی جس سے تمیں پیٹ

ہرجنے یا سیری کا احساس ہوتا ہے، جس سے یہ بات سمجھ آتی

ہے کہ بہت سے لوگوں نے کیوں زیادہ کھانا کھایا اور وزن بڑھا

لیا۔ لیکن وزن میں اضافہ زیادہ اثر اپر و سسٹہ والی غذا سے

واہستہ مسائل میں سے ایک مسئلہ ہے۔ کمی و مگر مطالعات میں

دیکھا گیا ہے کہ اثر اپر و سسٹہ غذا کے طویل عرصے تک کھانے

اور دل کی بیماری، موتاپا، فیا بیٹس کی دونوں اقسام، کچھ طرح

کے کیسرسوں اور حتیٰ کہ تناویں میں بھی ایک طرح کا تعلق ہے۔

مطالعہ میں یہ بھی دیکھا گیا کہ یوپی ایف کا ہمارے کھانے

پر بھی اثر پڑا ہے۔ اثر اپر و سسٹہ سے بھر پور غذا کھانے والے

افراد نے ان افراد کی نسبت بہت تیزی سے کھانا کھایا جن کی

غذا میں بہت کم فوڈ فوڈ شامل تھا۔ ماضی میں کی گئی ایک

اور تحقیق میں اہمتر کھانے والوں کو زیادہ بھرا ہوا اور پر سکون

دیکھا گیا۔ لیکن ڈاکٹر ٹولکین یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اثر

ڈاکٹر کرس وال ٹولکین نے حال ہی میں بی بی کے

لیے ایک تجربہ کیا تھا جس میں انہوں نے ایک ماہ تک اثر

پر و سسٹہ کھانا کھایا۔ سپوکر ارٹ: یہ کوئی اچھا تجربہ ثابت

نہیں ہوا۔

یہ تجربہ دستاویزی فلم ہم اپنے بچوں کو کیا کھلارے ہے ہیں؟

کا حصہ تھا۔ اس تجربے کے دوران ڈاکٹر ٹولکین نے ایک ایسی

غذا کھائی جس میں انہیں ۸۰ فیصد کیلو یارہ اثر اپر و سسٹہ

کھانوں سے حاصل ہوئیں۔ یہ وہ تناسب ہے جو تیزی سے

زیادہ آمدی والے ممالک جیسے برطانیہ، کینیڈا، آسٹریلیا اور

امریکا میں عام ہو رہا ہے۔

یوپی ایف ہم پر کس طرح اثر انداز ہوتے ہیں؟

میٹنے کے اختتام پر ڈاکٹر ٹولکین نے کم نہیں، سینے اور

معدے میں جلن، سُستی، قپش، پائکڑ اور وزن میں سمات کلو

اضافے کی اطلاع دی۔

انہوں نے کہا کہ ”میں نے اپنے آپ کو دس سال بوجھا

ذرائع، کاربوہائیڈریٹ اور پر ٹین کی طرف بالترتیب اشارہ

محسوں کیا۔“ انہوں نے مزید کہا کہ انہیں اس بات کا

لگانے کے لیے ابھی اور مدد کی ضرورت ہو، ان کھانوں کی جارحانہ مارکیٹ انہیں ہمارے ذہن میں اور بھی گہری طرح چھاپ دیتی ہے۔

# ہندتو اکی فکری اساسیات

سے ہر ملکہ فکر نے اس ہندتو اکو اپنے زاویہ نظر سے دیکھا ہے۔ یہ زاویہ ہم پر، لعنت مسلمانوں اور واسطگان تحریک کی سوچ پر بھی اڑ انداز ہوتے ہیں۔ ہم خیال و نظر کے ان خوبیوں اور کمزوریوں کو زیر بحث لاکیں گے اور ان کی اُن نظریاتی، عملی اور سیاسی و سماجی غلطیوں کے تجزیے کی کوشش کریں گے جو ان کے نظریاتی رزوں اور ان کے مقابلے میں زیر بحث فکر کے تجزیہ فراز روغ کا سبب ہن رہی ہیں۔

اس تحریک کو مسلمان اپنے لیے شدید تحصیل و درستھن رہے اور مختلف طریقوں سے اس پر دل کامظاہر بھی کرتے رہے۔ مختلف طرح کے مسلم داعل کی پشت پر بھی سوچ کے مختلف دھارے ہیں۔ بعض دھارے مسلمانوں کے اپنے ہیں اور بعض معاصر سیکولر و دیگر تحریکات سے مستعار یا ان کے اڑات کا نتیجہ ہیں۔ داعل کی ان مختلف اقسام کا، خصوصاً نظریاتی رو عمل کی اقسام کا بھی تجزیہ کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

یہ بڑی اہم بحث ہے جو ہم چھپنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس میں پیش کیے جا رہے خیالات پر ایک سے زیادہ آراء اور بحث و مباحثے کی تصرف گنجائش ہے بلکہ اس مسئلے کا متصدر ہی یہ ہے کہ ان موضوعات پر سمجھیدہ اور گھرے مباحثت آگے برھیں اور عملی سیاست کی وقت ابھننوں کے بجائے اس تحریک کو ان کے افکار کی گھری میں جا کر سمجھا جائے۔ مجھے امید ہے کہ اہل علم اس بحث کا اگے بڑھانے میں ہماری مدد کریں گے۔

اہم نظریہ ساز

ہندتو تحریک کے نظریہ سازوں میں شاید سب سے اہم نام وہ ایک دامود راور کر (فات: ۱۹۲۱ء) کا ہے۔ چنان وہ مراٹھی برہمن خاندان میں پیدا ہونے والے ساورکر، اس وقت تمام ہندو احیا پرست تحریکوں کے باوا آدم مانے جاتے ہیں۔

مراٹھی اور انگریزی میں ان کی جملہ ۳۸ تصانیف و متنیاب ہیں۔ ایک اہم کتاب ہے Six Glorious Epochs of Indian History کتاب ہے جس سے ہندوستان کی تاریخ کو دیکھنے کا ساورکر کا نظریہ معلوم ہوتا ہے۔ تاریخ پر ان کی کچھ اور کتاب میں بھی ہیں، کچھ آپ سے بیتیاں اور جنگیں کی رودا وغیرہ ہیں۔ سب سے اہم کتاب ہندتو ہے جو ۱۹۲۳ء میں ساورکر نے اپنے نام کے بغیر ایک مراٹھا (A Maratha) کے نام سے شائع کروائی تھی۔ یہ ۲۸ صفحات کا مختصر کتاب ہے۔ اب جو یہ یعنی عام طور پر فروخت ہوتا

## سید سعادت اللہ حسینی

تحریک اسلامی جس تبدیلی کی داعی ہے اس کا تقاضا ہے کہ وہ جہاں پرستی استقامت اور استقلال کے ساتھ اسلام کی اصولی دعویٰ پیش کرتی رہے وہیں اپنے زمان و مکان کے اہم نظریاتی، سماجی و سیاسی روحانیات سے ضرور تعریض کرے اور اپنے خاطب سماج کے ساتھ خیر خواہانہ رابطے اور اس میں راجح خیالات کے ساتھ با مقصد مکالمے کا عمل جاری رکھے۔ اس خاطب سے کیا ضروری ہے کہ تحریک کے پاس ایسا یادگاری ہو جو اپنی فکری نیازیوں سے مضبوطی سے وابستہ ہو اور ساتھ ہی اپنے زمانے کے اہم ترین سوالات اور زیر بحث موضوعات اور افکار کے مسئلے میں واضح اور مدلل موقف کا بھی حامل ہو۔

اس وقت ہمارے ملک میں ایک غالب فکری روحانی وہ ہے جس کی نامندگی ہندتو (Hindutva) کی تحریک کرتی ہے۔ یہ روحانی تجزیے سے ملک کے پڑھے لکھے عوام میں مقبول بھی ہو رہا ہے۔ چنان چہ اب ہندتو کی سیاسی پیش قدمی روکنے کی کوشش کافی نہیں ہے بلکہ زیادہ ضروری، فکر و نظریے کی سطح پر ان کا مقابلہ ہے۔ اس نظام فکر کا خالص اسلامی نیازیوں پر جائزہ و تجزیہ ہمارے زمانے کی ایک اہم دعویٰ و نظریاتی ضرورت ہے۔ اہم آئندہ چند ماہ تک اس فکر کو زیر بحث لانے کی کوشش کریں گے۔ اس تحریک کے مفکرین اور قائدین کے سیاسی موافق اور عملی و سیاسی اقدامات پر تجزیوں کی تو کوئی کمی نہیں ہے۔ مسلم علماؤں میں بھی ہماری صحافت کا اب یہ اہم موضوع بن گیا ہے۔ اہم اس سلسلہ مضامین میں ان امور کا احاطہ نہیں کریں گے بلکہ یہ بھنگتی کی کوشش کریں گے کہ اس تحریک کی نظریاتی نیازیں کیا ہیں؟ ان کا اور لذ و پوکیا ہے وہ کس طرح کی سماجی، سیاسی اور تہذیبی تبدیلی کے داعی ہیں؟ ہماری کوشش ہو گی کہ ان باتوں کو اس تحریک کے اوپر فکر سازوں کے حوالوں سے بھی سمجھیں اور ان کے افکار میں جو ارقباً یا تبدیلی واقع ہوتی رہی ہے اور موجودہ دور میں جو سوچ پائی جاتی ہے اس کا بھی سمجھیدہ مطالعہ کریں۔

ہمارے ملک میں متعدد فکری روحانیات اس نظام فکر کے حریف کے طور پر سامنے آتے ہیں اور سیکولر، سماج واد، اشتراکیت وغیرہ شاخوں کے ساتھ، ہندتو اکے مقابلے کے دعوے دار ہیں۔ ہم ان کو بھی زیر بحث لاکیں گے۔ ان میں

نہارے کھانے کے بہت سے انتخابات لاشوری اور عادتاً ہوتے ہیں۔ ہم ہمیشہ جان بوجھ کر صحت کے بارے میں نہیں سوچتے۔ جتنا ہم اسے استھروں میں، میڈیا میں اور اشتہارات میں دیکھتے ہیں، اتنا ہی زیادہ امکان ہے کہ ہم اسے خریدیں گے۔

الٹرپ و سسٹہ کھانے کیوں کھائیں؟ سو اگر یونی ایف صحت کے لیے اتنا ہی خطرہ ہے تو آپ کو حیرت ہونے لگے گی کہ وہ ہیں ہی کیوں؟ ڈاکٹر بیکٹ کہتی ہیں کہ آسٹریلیا کا یہ ٹیکٹھی اینگ، میں ہم ان کھانوں کو "صومب دیپی کھانے" کہتے ہیں، کیونکہ یہ ضرورت نہیں، انتخاب ہیں۔

لیکن وہ کہتی ہیں کہ جن کے پاس انتخاب کی سہولت ہے اٹھیں یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ ہر ایک صحت کے لیے کھانے کے انتخاب کی پوزیشن میں نہیں ہوتا۔ الٹرپ و سسٹہ کھانے طویل عرصے تک چلتے ہیں، آسانی سے سفر کرتے ہیں اور ان کی تیاری میں بہت کم وقت لگتا ہے۔ جب ہمارے پاس وقت پاکیش کم ہو تو یہ تو ازان کے لیے اچھا انتخاب ہو سکتے ہیں۔

وہ کہتی ہیں کہ رانے والی اصل قوئیں وہ ہیں جو لوگوں کو صحت مند کھانے کے بجائے الٹرپ و سسٹہ کھانوں کے انتخاب کی طرف راغب کرتی ہیں۔

وہ کہتی ہیں کہ مثال کے طور پر داعی تھا، یہ مٹھا، چربی اور نیکین کھانوں کے لیے ہماری بھوک بڑھا سکتا ہے۔ اور تنازع اس وقت اور طاقت کو متاثر کر سکتا ہے جو ہم صحت مند خوارک کو دینے کے لیے تیار ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ سب الٹرپ و سسٹہ کھانے لازمی طور پر جگ نہیں ہوتے۔

ڈاکٹر بیکٹ کہتی ہیں کہ نپر و سسٹہ کھانوں میں کچھ اہم اور صحت مند کھانے بھی شامل ہیں، جیسے ڈب بند بیزیاں، پاستا، چاول، روٹی اور فاٹہ سے بھر پور ناشتے کے سیمی خلороں۔ لیکن سب سے بڑھ کر، یہ مت بھو لیے کہ کھانا اپنے مجموعی اجزاء سے کہیں زیادہ بیچرے ہے۔

ڈاکٹر بیکٹ کہتی ہیں کہ کھانا ضرورت سے زیادہ بڑی بیچرے ہے، یہ ہماری خوشی، شفافت، معافی، سماجی میں جوں اور بہت زیادہ بیچرے کا ایک حصہ ہے۔

"بہمیں صرف لوگوں کی مدد کرنی ہے کہ وہ خوشی اور صحت میں تو ازان پیدا کریں"۔

(حوالہ: "لی لی ای اردو ڈاٹ کام" - ۲۶ جون ۲۰۲۱ء)



وگیان بخون میں تین روز تک سنگھ کے افکار و پالیسیوں پر پیکھروں کے سلسلے کا اہتمام کیا تھا اور تیرے دن سوالات کے جوابات بھی دیے تھے۔ ان پیکھروں کو Future India: An RSS Perspective کے عنوان سے سنگھ زبانوں میں شائع کیا گیا ہے۔ ان سے موجودہ قائدین و مفکرین کی سوچ کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ ذیل کی مطابوں میں ہم ان سب سرچشمتوں کو سامنے رکھ کر اس تحریک کی فکر کے تجزیے کی کوشش کریں گے۔

اگرچہ یہ مفکرین اس بات کا باہر بارہ عومنی کرتے ہیں کہ ان کے نظام فکر میں مختلف عقائد، افکار اور مذاہب کے تنویر کی گنجائش ہے اور یہ ان کے نظام فکر کی قابل فخر خصوصیت ہے۔ اس سلسلے میں عملی روپوں کا جائزہ ہم الگ سے لیں گے لیکن جہاں تک اعلان شدہ فکر کا تعلق ہے اس میں بھی کم سے کم درج ذیل باتیں اسی ہیں جسے اس نظام فکر کی انتیازی خصوصیات کہا جاسکتا ہے۔ سنگھ کے مفکرین کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان امور پر کسی مصالحت کے لیے وہ تیار نہیں ہیں جب کہ یہ ایسے افکار ہیں جن کے ذریعے وہ ملک کے کچھ طبقات کو باقاعدہ الگ(exclude) کرتے ہیں۔

#### وجود کی وحدت

کسی بھی نظام فکر کی اصل بنیاد اس کا ورثہ ہے۔ ہندوؤوں کے ولد و یوکو سمجھنے کی کوشش کی جائے تو ایک اہم سوچ جو تمام مفکرین میں مشترک نظر آتی ہے وہ وجود کی وحدت (Unity of Existence) کا نظریہ ہے۔ یہ قدیم ہندو فلسفہ ہے جسے ہندو شریچار میں ادویاتاہیتا کہا گیا ہے۔ اس فلسفے کی جزئی ہندوؤں کی تمام مقدس کتابوں ویڈوں، برہماوترا اور بھगوت گیتا میں ملتی ہیں۔ آٹھویں صدی عیسوی میں مشہور ہندو فلسفی آدمی مفکر نے اس قدر یہ فلسفے کے ایسا کی کوششیں کیں جس کے تینے میں عہدوطنی اور عہد جدید کے برعکس روحانی افکار میں یقینگراں رہی ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ کائنات میں اصل حقیقت صرف ایک یعنی برہما ہے۔ انسانی روح بھی اصل ایسی کا حصہ ہے اور کائنات کے سارے اجزاء اور اصل ایسی وجود کا حصہ ہیں۔ باقی جو بھی نظر آتا ہے وہ محسوس مایا یعنی ایک حقیقت کا فریب ظہور ہے۔ اس فکر کے اثرات سے بعض مسلمان صوفیوں میں بھی وحدت الوجود جسے نظریات کی بعض انتہا پسندانہ شکلوں کا فروع ہوا۔ (حالانکہ صوفی کے تصورات اور ادیان میں بعض جو ہری فرق میں جس کے آئندہ ہم گفتگو کریں گے) سنگھ کے مفکرین اس نظریے کو اپنے نظام فکر کی اہم بنیاد قرار دیتے ہیں اور جانتے ہیں کہ یہاں رہنے والے سب لوگ اسے تسلیم کریں۔ اس وقت دارالشکوہ

ہے۔ (تفصیل آگے آ رہی ہے) لیکن اکثر تجزیہ یہ نگاروں کے نزدیک اس تحریک کی اصل سوچ کی اس سے زیادہ دیانتداری کے ساتھ وضاحت گولواکر ہی نے کی ہے جب کہ میرگم مفکرین نے اپنے سیاسی مقاصد کی خاطر لگاگ پیٹ سے کام لیا ہے۔

وین دین دیال پاہدھیا (وفات ۱۹۲۸ء) کی اہمیت یہ ہے کہ انھیں سیاسی جماعت، جن سنگھ اور پھر اس کی بدھی ہوئی شکل یعنی بی جے پی کا اصل نظریہ سازمان جاتا ہے۔ انھوں نے ۱۹۲۵ء میں مبینی میں دیے گئے اپنے پیارے پاہدھیا میں اپنی پارٹی کے نظریے کی وضاحت کی ہے اور اس نظریہ کو منکمال انسانیت پسندی (Integral Humanism) کا عنوان دیا ہے۔ انگریل ہیزم کو بولی ہے پی، اپنا سیاسی نظریہ قرار دیتی ہے۔ یہ بات بی جے پی کے دستور (constitution) میں باقاعدہ لکھی ہوئی ہے۔ بی جے پی کا کوئی بننے کے لیے بھی انگریل ہیزم پر یقین و ایمان کے عہدناہیے پر مبنی تکریب نہ ہوتے ہیں۔

اس طرح ساورکر، گولواکر اور پاہدھیا کے خیالات کو اس تحریک کی اساسی فکر کی حیثیت حاصل ہے۔ ان کے بعد اس تحریک کی فکر کو سمجھنے کے لیے کئی مصادر سے مدد ملتی ہے۔ سنگھ کے سرچالوں کے خیالات کو جمع کر کے کئی کتابیں شائع کی گئی ہیں۔ اس کے ترجمان آر گنائزر میں تعدد قائدین مسلسل لکھتے رہے ہیں۔ ان میں ملراج مہوک (وفات ۲۰۱۲ء)، کے ایں سدرش (وفات ۲۰۱۲ء)، انچ وی سیٹھاواری (وفات ۲۰۰۵ء)، اٹل بھاری واجپی (وفات ۲۰۱۸ء)، بھیا جی جوشی، منموہن ویدیہ، سیٹھاواری چاری وغیرہ کا مختلف ادوار میں اس تحریک کی نظریہ سازی میں رول رہا ہے۔ حال ہی میں (نومبر ۲۰۱۸ء) سنگھ کے موجودہ مرئے سنگھ چالک، موہن بھاگوت نے دلی کے

Hindutva: Who is a Hindu? کے نام سے مقدمے وغیرہ کے اضافے کے ساتھ، قدرے تفصیل (۱۵۶ صفحات) ہے جس میں ہندو اکنہ نظریے کی وضاحت کی گئی ہے۔

ساورکر ایک قوم پرست تھے اور خود کو دہریہ کہتے تھے۔ ان کے افکار زیادہ تر یورپ کے سیکولر قوم پرست اور اسلامی خیالات سے متاثر تھے۔ آر ایس ایس کے دوسرے مرئے سنگھ چالک، مادھورا و گولواکر (وفات ۲۷۳۷ء) نے ان افکار کو قدم ہندو فلسفوں اور روحانی و مذہبی خیالات کی بنیاد پر نیا پرکشش جامہ پہننا کر ہندو عوام میں مقبول بنایا ہے۔ گولواکر کو سنگھ کے حلقوں میں گروہی کہا جاتا ہے۔ اس وقت وہ ان حلقوں کے سب سے مقبول مفکر ہیں اور سب سے زیادہ انہی کے حوالوں سے یہ نظام مکرر ہر بحث آتا ہے۔ ان کی باقاعدہ تصنیف تو صرف دو ہیں۔ ایک We or Our Bunch of Thoughts اور دوسری Guruji Vision and Mission نامی کتاب میں ایک جملہ میں ان کے خیالات کو مختلف عنوانات کے تحت جمع کیا گیا ہے۔

سنگھ کے غافل اور نظریات کی سب سے زیادہ تفصیل وضاحت گولواکر ہی کی تصنیف سے ملتی ہے اور انہی کا حوالہ سب سے زیادہ دیا جاتی ہے۔ ساورکر کی طرح ان کے بعض خیالات بھی انتہائی شدید ہیں۔ یہ عین ممکن ہے کہ اس وقت سنگھ کے سب لوگوں کو ان خیالات سے اتفاق نہ ہو۔ بعض وغداں کا اٹھار بھی کیا گیا ہے، مثلاً آر ایس ایس کے موجودہ سربراہ موبہن بھاگوت نے ان کی بعض باتوں کو آج کے احوال سے غیر متعلق قرار دیا

**باقہہ: امریکی رائے عامہ فلسطینیوں کے حق میں تبدیل کے حق میں رائے عامہ کو تبدیل کر دیا ہے۔**

امریکی کو امریکی امداد لینے کے لیے کن کن شرائط کو پورا کرنا ہو گا، اس بل کی حمایت کرنے والے معروف رکن یعنی میکلن نے بل کے پیچھے بل کا مقصد تحریر کیا ہے کہ ”امریکی اب حریق ایک امریکی ڈالر بھی فلسطینیوں کے مکانات سمار کرنے، فلسطینی بچوں پر قلم کس طرح کیا جاتا ہے، جبکہ اسی دوران و درود پر قلم کا الزام رکھ کر خود کو مظلوم بھی ثابت کیا جاتا ہے۔“ کی عشروں سے فلسطینیوں کو اس طرح سے ٹھیم و برہمات کے ناشہ بتایا جا رہا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا امریکی خارجہ پالیسی میں اب فلسطینیوں کی زندگی کو کوئی اہمیت دی جائے گی؟ (ترجمہ: سیہ اختر)

"Racial reckoning is shifting US public opinion on Palestine". ("aljazeera.com". May 20, 2021)



پر اس طرز لکھ کر اور اس لگنی اسas کی گہری چھاپ صاف محسوس کی جاسکتی ہے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ نامیاتیت کے اس فلسفے کو تمام ہندوستانیوں کے مشترک فلسفے کے طور پر پیش نہیں کیا جاسکتا۔ اسلام سیست کی نہایت کے عقائد اور تعلیمات سے یہ راست متصادم ہے۔ لیکن سنگھ کے مفکرین اسے ایک جزو نے والے اور مشترک فلسفے کے طور پر پیش کرتے ہیں۔

(... چاری ہے)

(بوجالہ بن اہتمام، "زندگی لو،" دہلی۔ شارہ: جولائی ۲۰۲۱ء)

اور بعض مسلمان صوفیا کے افکار کو تبول بنانے کی جو کوششیں ہو رہی ہیں، اُس کے پیچے بھی یہی حرک ہے۔ ظاہر یہ محض ایک روحاںی نظر محسوس ہوتا ہے لیکن آگے ہم واضح کریں گے کہ جس طرح اس کی تعبیرات کی گئی ہیں، اس سے گھرے سماجی، مذہبی تہذیبی، تاریخی بلکہ سیاسی تباہی بھی نکلتے ہیں۔ گلوکرک سے ایک مسلمان صحافی جیلانی نے قصیلی انٹرو یو پا تھا۔ آج کل اس انٹرو یو کے متین کو خوب پھیلایا جا رہا ہے۔ اس میں انھوں نے کہا کہ:

اسے آپ ادوبنا کہیں یا پکھ اور کہیں لیکن یہ فلسفہ نہ ہندوؤں کا ہے نہ مسلمانوں کا (یعنی سب کا ہے)۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ وجود صرف ایک ہے۔ وہی ایک سچائی ہے۔ (وہی) حقیقت صرفت ہے۔ وہی خالق ہے، رب ہے اور وہی تباہ کرنے اور ختم کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔ ہمارے درمیان خدا کے جتنے مختلف تصورات پائے جاتے ہیں وہ اسی حقیقت کے مدد و مصوات ہیں۔ اس حقیقت کی نیادیں ہم سب کو جوڑتی ہیں۔ یہ حقیقت کسی خاص مذہب تک خود کو مدد و نہیں رکھتی... مذہب صرف پرستش کا طریقہ ہے۔ گلوکرک کا یہ فلسفیانہ بیانیہ اپا دھیائے کے انگریل ہیوزم میں ایک سیاسی و سماجی بیانیے کے روپ میں سامنے آتا ہے۔ اپا دھیائے نے فرد پسندی (individualism) کے مغربی تصور کو تمسیح دیا۔ ان کے مطابق سماج، افراد کے درمیان سماجی معابدے کا نتیجہ نہیں ہے (جبیسا کہ مغربی ماہرین سماجیات بیان کرتے رہے ہیں) بلکہ سماج خود ایک زندہ وجود ہے۔ اس کی اپنی روح ہے۔ اس کے چار اہم اجزا جسم، دماغ، عقل اور روح ہیں۔ اور ان چاروں کے ساتھ چار طرح کی کوششیں وابستہ ہیں جنھیں انھوں نے ارتھا (معاشی اطبیان) کاما (خواہش کی تسلیک)، دھرم (اخلاقی اطبیان) اور موکشا (نجات) کے الفاظ سے تعبیر کیا۔ یہ سب ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔ جدید مغربی تصورات نے صرف جسم اور دماغ کو ایڈریلیں کیا اس لیے وہ ناکام ہیں۔ فرد کی طرح سماج کی بھی روح ہوتی ہے جسے انھوں نے جتنی کامانم دیا۔ انسانی روح عظیم ترین الہامی روح کا اٹھارہ ہے۔ انسانی روح جب اپنے تمام کمالات حاصل کر لیتی ہے تو الوہی روح میں خشم ہو جاتی ہے جو موکشا ہے اور انسان کا حقیقی مقصود ہے۔ اس کے لوگ راثر کہتے ہیں۔ افراد اور سماجی گروہوں کی اہمیت بھی کم ہو جاتی ہے۔ اصل اہمیت اس پڑے نامیاتی وجود کو حاصل ہو جاتی ہے جسے یہ مخفی سماجی گروہوں کی اہمیت بھی کم ہو جاتی ہے۔ اصل اہمیت اس پڑے نامیاتی وجود کو حاصل ہو جاتی ہے جسے یہ ایسا اور کل پر زے بن جاتے ہیں۔ ان کے انفرادی یا گروہی مفادات کی کوئی اہمیت باقی نہیں رہتی۔ سنگھ کے افکار اور مسماق

**باقیہ:** چین کی نظر میں افغانستان سے امریکی انخلا تجارت کا آغاز کیا۔ چین کی نظر میں امریکی نوجوں کی واپسی کے بعد افغانستان میں معاشری ترقی اور علاقائی تجارت کا فروع کا نیک مشکل ہو گا۔ ہبھارال یہ ایک بڑا مقدمہ ہے اور چین اپنی اس پالیسی پر عمل درآمد جاری رکھے گا۔ چین کے افغانستان میں معاشری مفادات پاکستان کے خود کو خلیل کے تجارتی مرکز میں تہذیل کرنے کی خواہش سے جڑے ہیں۔ اس سے چین کی اس یقین کی عکاسی بھی ہوتی ہے کہ امریکی انخلا کے بعد افغانستان میں استحکام کے لیے پاکستان کا کروار بہت اہم ہے۔ چین بخوبی واقف ہے کہ پاکستان افغانستان کے حوالے سے اپنے کروار کو بڑھا چڑھا کر پیش کرتا ہے اور حریفانہ عمل کے ذریعے اپنے مفادات کو آگے بڑھاتا ہے۔ تاہم چین کی نظر میں مبالغہ آمیز ہی صحیح لیکن افغانستان میں پاکستان کا اثر سیاسی حقیقت ہے، جسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ مزید یہ کہ اگرچہ افغانستان میں چینی اور پاکستانی مقاصد ایک جیسے نہیں لیکن باہم شملک ہیں اور خاص کر بھارت سے مقابله کے لیے تو چین اور پاکستان ساتھ ماتھے ہیں۔ چین کا افغانستان سے امریکی نوجوں کے انخلا کے بارے میں رد عمل کافی پیچیدہ ہے۔ پیچگ کو تشویش ہے کہ امریکی نوج کے غیر جلدی افغانستان انتشار کا شکار ہو جائے گا اور الاحالہ اسلامی انتہا پسندی کا گڑھ بن جائے گا۔ ہبھارال چینی پالیسی ساز طولیں عرصے سے امریکی ارادوں پر ٹک کا انتہا کرتے آئے ہیں، ان کی نظر میں امریکا اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے افغانستان پر اپنا اثر و سوچ برقرار رکھے گا اور اس کو استعمال بھی کرے گا۔ پیچگ کو خدا ہے کہ امریکا افغانستان میں فوجی ذمہ داریوں سے سبکدوشی کے بعد اس ملک کو چین کی علاقائی حیثیت اور کلیدی مفادات کو نقصان پہنچانے کے لیے استعمال کرے گا۔ (ترجمہ: سید طالب اختر)

"How China views the U.S. withdrawal from Afghanistan". ("warontherocks.com". May 13, 2021)

کیم و ۱۶ جولائی ۲۰۲۱ء

# امریکی رائے عامہ فلسطینیوں کے حق میں تبدلیں

بذریعہ تبدیل کر دیا ہے۔

محض

اس موضوع پر ۲۰۰۱ء سے ۲۰۱۸ء جب رائے شماری ہوئی

تو زیادہ لوگوں نے اسرائیل کے حق میں بات کی۔ گلپ سیف الدین فیصل ڈیمکٹ کی رائے بھی تھی۔ پرائے شماری ۲۰۱۸ء میں سے ۳۰ فیصد رہی۔ یہ بدلتا رویہ امریکی الیکوریٹ کے ترقی پسند اراکین کی وجہ سے پروان چڑھا ہے، جنہوں نے بغیر کسی شرائط کے اسرائیل کو دی جانے والی امداد پر کڑی تقید کی ہے اور غزہ میں جاری حالیہ اسرائیلی دشمن گروہ، گھروں سے جری بے ڈھنڈ اور موصوم شہریوں کے قتل کی بھی نہ مدت کی ہے۔ ۳۱ میں کانگریس کی نمائندہ الیکریٹر اونکا سید نے

کانگریس میں باپیڈن پر کڑی تقید کی، انہوں نے دو لوک الفاظ میں کہا کہ ”صدر باپیڈن اور دوسرا لوگوں کا یہ جملہ پورے وجود میں گنجائے ہے کہ اسرائیل کو زندہ رہنے کا حق ہے، لیکن کیا فلسطین کو بھی زندہ رہنے کا حق ہے؟ کیا تم اس پر یقین رکھتے ہیں، اگر نہیں اس پر یقین ہے تو ہماری ذمہ داری اس حوالے سے بھی اسی طرح بتی ہے۔“

ایوان کی نمائندہ راشدہ طلیب جو امریکن کانگریس میں پہلی منتخب فلسطینی ہیں نے امریکی حکومت پر فلسطینیوں کی زندگی کو شدت سے نظر انداز کرنے کی سخت نہ مدت کی ہے انہوں نے ایوان نمائندگان سے یہ سوال کیا کہ ”کتنے ہی فلسطینی ہیں جنہیں اپنی زندگی کے لیے اپنی جانوں سے ہاتھ دھونا پڑا، انہوں نے ہر یہی کہ فلسطین کی آزادی پوری دنیا کو ظلم کے غلاف ہنگ کے لیے اکٹھا کرتی ہے۔“

راشدہ طلیب کے اس بیان نے امریکی نوجوانوں اور مختلف قومیوں اور مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے تمام ترقی پسند امریکیوں کو اپنی گرفت میں لے لیا، جب انہوں نے یہ کہا کہ ”ہمیں یہ بات کہنے میں کوئی پچھلا ہٹ نہیں کہ ہمارا ملک اسرائیل کے ساتھ غیر مشرف تعاون کر کے فلسطینیوں کی زندگی کو ٹھانے کے قابل ہو گیا ہے۔“

عوامی بیانات کے ساتھ ساتھ کانگریس کے ۲۱ اراکین نے ”اسرائیلیوں کے دیر بقدر زندگی“ زارنے والے فلسطینی پیغمبر اور فلسطینی خاندانوں کے لیے انسانی حقوق کے دفاع“ کے بیل کی حمایت کی ہے۔ یہ بیل واضح کرتا ہے کہ

۲۰۱۸ء نوری میں کی جانے والی پوری سفر کے مطابق مزید ”بچپن فیصل“ ڈیمکٹریشن اس اپنے تھام کی حمایت کرتے ہیں جب کہ ریپبلکن ایجی ٹکن ”اہسی فیصل“ کے ساتھ اسرائیل کو پسند کرتے ہیں، یہ امداد و شمارت باتاتے ہیں کہ فلسطین میں انسانی حقوق کی خلاف ورزی پر دونوں سیاسی جماعتوں کے خیالات کے درمیان ایک واضح فرق موجود ہے۔

رائے شماری کے سال اتفاقاً طنہیں ہوئے بلکہ ۲۰۱۸ء وہ سال ہے جب ٹرمپ صدر تھے اس وقت امریکا کی مرکزی سیاست پر دائیں بازوں والے حاوی تھے، اس دوران امریکی پولیس افسران نے نئی سیاہ فام امریکیوں کو قتل کیا اور یہ ویڈیو وارل ہوئیں۔ اس رائے شماری میں امریکیوں نے ان فرسودہ نسل پرست تصورات کو غلط قرار دیا، جن کے مطابق سیاہ فام امریکی خطرناک ہبہ تشدد اور جارحانہ طبیعت کے مالک ہوتے ہیں۔ اس دوران ٹرمپ نے مسلمانوں پر پابندی عائد کی، امریکی پاہانگزیوں کے خاندانوں کو سرحدوں پر تقسیم کر دیا، بغیر کسی میل و جنت کے نسل پرستانہ رویے کی مرحلہ وارتونج کی۔ غیر متعصباً تحریک اب مقامی سیاست میں ڈیمکٹریکی کے کسی بھی ”اندھے تصور“ کو برداشت نہیں کرے گی۔

اس کے نیچے میں ترقی پسندوں کے لیے حمایت کی ایک لہر بیدار ہوئی، بالکل اسی طرح جیسے امریکا میں سیاہ فام امریکیوں کے غلاف عکریت پسندی اور نسل پرستی کو مستعار کیا جاتا ہے۔ مقبوضہ مشرقی یورپ میں فلسطینیوں کو زبردست بے گھر کیے جانے پر اور غزہ کے نئے شہریوں پر اسرائیلی فوج کی آواز نہیں، نسل پرستی کو ختم کریں نہ کہ صرف اصلاحات کے

امریکی عوام نسل پرستی سے اتنے باخبر ۱۹۶۰ء میں نہیں تھے جتنے آج واضح طور پر وہ نسل پرستی اور اس کے تھانات سے آگاہ ہیں۔ ”بیک لائف میز“ تحریک نے امریکی عوام کو اس بات پر مجبور کر دیا ہے کہ افریقی امریکیوں کے ساتھ رسول سے قائم متعصباً نہ رویے اور نفرت کو ختم کرنے کی ضرورت ہے، نیچے کے طور پر امریکا کے نوجوان اب اس بات پر یقین نہیں رکھتے کہ ان کی سوسائٹی ”کلر بلائنز“ ہے جیسا کہ پانچ دہائیوں قبل شہری حقوق کی تحریک ”بیک لائف میز“ کی وجہ سے لاطینی، مقامی امریکی، امریکا میں رہنے والے مسلمانوں اور سیاہ فام امریکیوں کے خلاف نظام کی وجہات سامنے آئیں۔ اس کے ساتھ ساتھ فلسطینیوں کے ساتھ بھی نسل پرستوں نے متعصباً نہ رویہ رکھا اور فلسطینیوں کو امریکا کے ذرائع ابلاغ میں، سیاست میں اور نصابی کتابوں میں نفرت زدہ بنا کر پیش کیا جاتا رہا۔

نوجوان اور ترقی پسند طبقہ جس نے سو شل میڈیا کے ذریعے فلسطینیوں کی آواز کو دنیا بھر میں پہنچایا ہے اب کسی طور بھی امریکی سیاست دانوں کی جانب سے اسرائیل کی ڈیمکٹریکی مشروط حمایت کو بغیر کسی دلیل کے قول نہیں کریں گے۔ نوجوان طبقہ یہ سمجھ چکا ہے کہ اسرائیل اور فلسطین کا مسئلہ فقط پیچیدہ نہیں یہ اس سے کہیں بڑھ کر نسلی منافرتوں کی ٹھل اختیار کر چکا ہے، ترقی پسند امریکی طبقہ کو امریکا کے ماضی کے نوازدہ بیانی نظام اور فلسطینیوں پر توڑے جانے والے ظلم میں مانشت نظر آتی ہے۔

فلسطینیوں کے مقامی صحافیوں (جنہوں نے غزہ کے حقیقی حالات دنیا کو دکھائے) کی وجہ سے امریکی عوام اس حقیقت کا اعتراض کرنے پر مجبور ہیں کہ امریکی امداد ایک مظلوم طریقے سے اسرائیل کو فلسطین میں انسانی حقوق کی خلاف ورزی میں مددراہم کر رہی ہے، بالکل اسی طرح جیسے امریکا میں سیاہ فام امریکیوں کے غلاف عکریت پسندی اور نسل پرستی کو مستعار کیا جاتا ہے۔ مقبوضہ مشرقی یورپ میں فلسطینیوں کو زبردست بے گھر کیے جانے پر اور غزہ کے نئے شہریوں پر اسرائیلی فوج کی بمباری نے امریکا میں اسرائیل کے بارے میں رائے عامہ کو